نونہال ادب۔ علم و ادب کے میدان میں ہمدرد کی نہایت پُر خلوص خدمت

سعید سیاح جاپان میں

حکیم محمد سعید

نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

ناشر : ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

طابع : سٹیزن گرافکس

اشاعت : ۱۹۹۵ء

تعداد اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : ۳۸ روپے

نونہال ادب کی کتابیں "نہ نفع، نہ نقصان" کی بنیاد پر شائع کی جاتی ہیں۔

پہلی بات

میں نے دنیا کے ہزارہا سفرنامے پڑھے اور دیکھے ہیں۔ ہر ملک کے سیّاح کا حال پڑھا ہے۔ مگر شاید دنیا میں کسی سیّاح نے نونہالوں کے لیے سیاحت نامہ نہیں لکھا ہے۔ اس میدان میں تمھارے دوست اور قائدِ نونہال جناب حکیم محمّد سعید کو یہ فخر حاصل ہے۔ انھوں نے نونہالوں کے لیے سفرنامے لکھنے کی طرح ڈالی ہے۔

نونہالو! تمھارے حکیم صاحب ایک نہایت اچھے سیّاح ہیں۔ وہ جب کسی سفر پر نکلتے ہیں تو ان کا مقصد ہرگز سیرو تفریح نہیں ہوتا۔ دولت مندوں کی طرح وہ ملک ملک جاکر عیش و آرام نہیں کرتے۔ وہ سفر میں بھی کام کرتے رہتے ہیں۔ کانفرنسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک سفیر کی طرح پاکستان کا نام روشن کرتے ہیں۔ وہ اب تک کم از کم ایک سو بین الاقوامی کانفرنسوں میں سائنس اور طِب پر ایک سو سے زیادہ مقالات پیش کرچکے ہیں۔ انھوں نے دنیا بھر میں طبِّ اسلامی کا نام روشن کردیا اور طب کو دنیا سے تسلیم کرالیا۔ یہ ان کا ایک تاریخ ساز کام ہے۔ گزشتہ پانچ سو سال میں طبِ اسلامی کے حکیم صاحب پہلے مجدّد ہیں۔

اس کے باوجود وہ ہر سفر میں اب اپنے پیارے نونہالوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔ وہ نونہالوں کو دل چسپ حالات بتاتے ہیں۔ تاریخ سے آگاہ کرتے ہیں اور نونہالوں کے دل و دماغ کو روشن کرتے ہیں۔ تمھارے دوست حکیم محمد سعید صاحب کا یہ تمھارے لیے ۳۲ واں سفرنامہ ہے!

یہ سفرِ جاپان ۲۰ر اگست کو شروع ہو کر ۲۷ر اگست کو ختم ہوا۔

رفیع الزماں زبیری
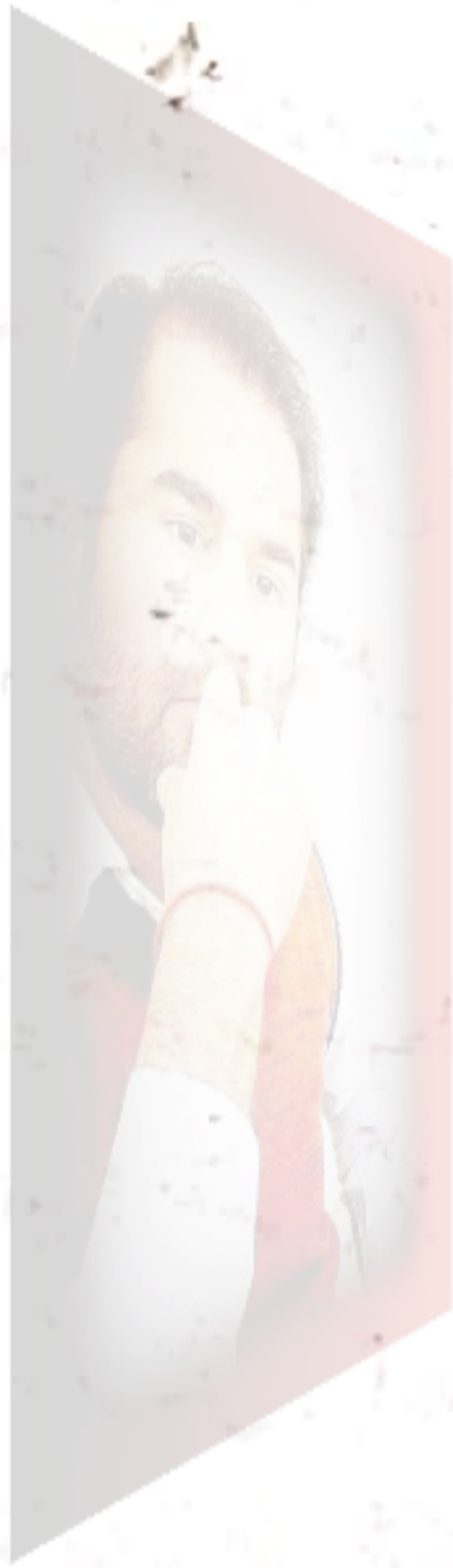
پہلا باب

نونہالو! انسان جب اپنی زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کی سوچ اور فکر ملکی اور مقامی سطح پر ہوتی ہے۔ اس طرح وہ مقامی اور ملکی سطح پر کام کرتا ہے۔ اس کی عقل کی اُٹھان اس سے زیادہ آگے نہیں جاتی۔ دنیا میں اکثر انسان زندگی بھر اسی سطح پر رہتے ہیں۔ اسی خول میں رہتے ہیں اور اس خول سے باہر نہیں آتے کیونکہ ان کی سوچ مقامی ہوتی ہے۔

سوچو مقامی سطح پر، عمل کرو مقامی سطح پر

اور نونہالو! بہت سے بدقسمت لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ اپنے ماحول کے خول میں رہتے ہیں اور اس سے باہر آنا ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کی مثال پاکستانی سیاست داں ہیں۔ سوائے چند کے باقی سب کے سب قومی اور ملکی سطح تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ اپنے گاؤں گوٹھ سے زیادہ سوچ ہی نہیں سکتے۔ یہ سب کے سب بدقسمت ہیں اس لیے پاکستان کی قسمت کو خراب کرتے ہیں۔

سوچو عالمی سطح پر، عمل کرو مقامی سطح پر

نونہالو! بہت سے خوش قسمت انسان ایسے ہیں جو عالمی سطح پر سوچتے

ہیں، غور کرتے ہیں۔ عالم کے حالات دیکھتے ہیں، ملک ملک کے شب و روز دیکھتے ہیں، فکر کرتے ہیں اور پھر غور و فکر کے بعد مقامی سطح پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ پاکستان کی تعمیر کا جذبہ پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ دنیا میں جو اچھائیاں دیکھتے ہیں جب پاکستان میں ان کو نہیں پاتے تو پاکستان میں یہ اچھائیاں لانے کی فکر کرتے ہیں۔ عمل کرتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے خوش قسمت انسان کم ہی ہیں، مگر ہیں ضرور۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے۔ مگر میرے جیسے خوش قسمت انسان ان بدقسمت انسانوں کے نرغے میں ہیں جن کی سوچ بھی مقامی اور جن کا عمل بھی مقامی ہوتا ہے بلکہ ان کی سوچ اپنے گاؤں گوٹھ سے آگے نہیں جاتی۔ پاکستان میں یہ سب بدقسمت انسان اقتدار میں ہیں اور طاقت ان کے ہاتھ میں ہے۔ ان بدقسمت لوگوں نے پاکستان میں خوش قسمت انسانوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔

نونہالو! خوش قسمت انسان جو دنیا کی سطح پر حالات کا مطالعہ کرتے ہیں اور پاکستان کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، تعمیر کا جذبہ اور آرزو رکھتے ہیں ان کو بدقسمت پاکستانیوں نے دبا رکھا ہے۔ ان کے راستے بند کر رکھے ہیں۔ ان کی زندگی عذاب میں کر رکھی ہے۔

نونہالو! ایک مثال دیتا ہوں، ذرا غور کرنا۔

میں جب خوش قسمتی سے صوبۂ سندھ کا گورنر تھا تو میں نے دنیا میں دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں شہر در شہر یونی ورسٹیاں قائم ہیں اور نوجوان دل لگا کر علم حاصل کر رہے ہیں اور اپنے وطن کی تعمیر کا سامان کر رہے ہیں۔ میں نے گورنر بنتے ہی اپنے سندھ صوبے میں چار یونی ورسٹیاں قائم

کردیں اور ان میں سے تین یونی ورسٹیوں کا حال یہ ہے کہ ان میں جگہ نہیں ہے۔ نوجوان تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مگر میں نے جب سیاسی بدنیتوں کا حال دیکھ کر خود سندھ کی گورنری چھوڑی تو پھر علم و حکمت کی یہ خدمت ناگوار ہوئی اور سندھ اسمبلی میں ان یونی ورسٹیوں کی منظوری نہیں ہونے دی گئی حال آں کہ یہ یونی ورسٹیاں خوب تعلیم دے رہی ہیں۔

نونہالو! تم نے دیکھا کہ کس طرح سندھ کے نوجوانوں کو تعلیم سے محروم کرنے کا سوچا گیا ہے۔ سندھ کے وزیرِ اعلا کی سوچ مقامی ہے ان کی سوچ عالمی نہیں ہے۔ آج پاکستان ان بدقسمت انسانوں کے نرغے میں ہے جو عالمی سوچ نہیں رکھتے۔ آج پاکستان میں عالمی سطح پر سوچنے والے مجھ جیسے خوش قسمت انسان ان بدقسمت انسانوں کی زد میں ہیں۔

میں گورنر کی ڈائری لکھ رہا ہوں۔ ایسی ہزار باتیں اس ڈائری میں آئیں گی اور لوگ حیران رہ جائیں گے!

سوچو عالمی سطح پر، عمل کرو عالمی سطح پر

نونہالو اور نوجوانو!

بہت کم ایسے خوش قسمت انسان ہوتے ہیں عالمی سطح پر، یعنی دنیا ان کے سامنے ہوتی ہے اور وہ عمل کرتے ہیں عالمی سطح پر۔ یعنی عمل کے لیے دنیا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ ایسے خوش قسمت انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے نیک بندوں کے لیے راہوں کو ہموار کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے خوش قسمت انسانوں کی فہرست میں میرا نام بھی ہے جو سوچتے بھی ہیں عالمی سطح پر اور عمل بھی کرتے ہیں عالمی سطح پر۔

نونہالو! دنیا میرے آگے ہے! میں اب دنیا کے ہر انسان کی اچھائی کے لیے سوچنے کے قابل ہوں اور دنیا کے ہر انسان کی خدمت کرنے کے لیے اپنے دل میں فراواں جذبات رکھتا ہوں۔ میں آج دنیا کی بڑی بڑی انجمنوں میں کام کرتا ہوں۔ میں آج دنیا کے سب سے بڑے اداروں میں برسرِ عمل ہوں۔ آج دنیا کے لوگ مجھے جانتے پہچانتے ہیں۔

نونہالو! اس کی ایک بالکل تازہ مثال دیتا ہوں :

انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن (پیرس) عالمی ادارۂ صحّت کے بعد دنیا کی سب سے بڑی انجمن ہے۔ اس کا ایک بورڈ اوف ٹرسٹیز ہے۔ اس بورڈ پر ساری دنیا کے ماہرین رکن کی حیثیت سے فخر کرتے ہیں۔ اس سال میں نے معذرت کرلی تھی کہ میں رکنیت کے لیے اپنا چناؤ کرانا نہیں چاہتا۔ میں اب معمّر ہوں اور مصروف ہوں۔ مگر جاپان میں انٹرنیشنل یونین کے تقریباً پانچ سو اراکین نے ۲۳ر اگست ۱۹۹۵ء کو مجھے اکثریتی ووٹوں کے ساتھ یونین کے بورڈ اوف ٹرسٹیز کا رُکن چُن لیا! ووٹ دینے والے دنیا کے ہر ملک کے انسان تھے!

جاپان ـــــ ایک سفر اور!

میرے عظیم نونہالو! جاپان کا ایک سفر اور! کئی بار جاپان کا سفر کیا ہے۔ ہر بار یہ خیال آتا ہے کہ بس اب جاپان کیا آنا ہوگا مگر اب پھر آنا ہوگیا۔

ہماری پیرس (دارالحکومت فرانس) میں قائم انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ

ایجوکیشن ہے۔ میں اس کی مجلسِ امینان (بورڈ اوف ٹرسٹیز) کا رکن سال ہا سال سے ہوں۔ اس بار میں نے لکھا کہ اب مجھے ریٹائر کر کے میری جگہ ایک نوجوان کو رکنیت کا اعزاز عطا ہو جائے، مگر میرے پیارے دوست جناب مائیکل پالکو (Michael Palko) نے آٹووا (کنیڈا) سے لکھا : ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں ایک بار پھر آپ کا نام تجویز کر رہا ہوں۔ آپ کا انتخاب کیا جائے گا۔ آپ کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

میں نے ان کی بات مان لی ہے اور اب پاکستان انٹرنیشنل ائرلائنز کے جمبو جیٹ جہاز میں جاپان کی طرف اُڑا جا رہا ہوں۔

کراچی کے نہایت خوب صورت ہوائی میدان پر میری پیاری بیٹی سعدیہ اور نواسی آمنہ نے پیار کر کے رخصت کیا۔ دو سال ہوئے آمنہ نوجوانوں کے ایک وفد (یوتھ ڈیلے گیشن) کے ساتھ جاپان کا سفر کر چکی ہیں۔ جناب فیروز صاحب نے جہاز کے اندر تک لا کر بٹھا دیا۔ میرے نہایت ذمّہ دار رفیق ہیں۔ ہمدرد کے ہر مہمان کا استقبال کرتے ہیں اور رخصت کرتے ہیں۔ آغاخانی ہیں۔ فرض شناس ہیں۔

ایک نونہال سے محبت

جہاز میں میری کرسی پر ایک نونہال تشریف فرما تھے۔ ائرہوسٹس (ہوائی میزبان) نے نونہال کو ہٹانا چاہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی والدہ اور محترم والد کے ساتھ بیٹھے تھے۔ میں نے کہا : میرے نونہال! تم اطمینان سے بیٹھے رہو۔ میں تمھاری کرسی پر بیٹھ جاؤں گا۔ نونہال خوش ہوا، میرا دل خوش ہوا۔ میں تو اپنے نونہالوں کو آگے بڑھانے آیا ہوں! میں نونہال کے پیچھے والی

کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ یہ سب ٹوکیو جا رہے ہیں۔ وہاں سے سان فرانسسکو (امریکا) جائیں گے۔

از عرش تا فرش

کراچی سے ہوائی جہاز اُڑا۔ چار گھنٹے چالیس منٹ میں ایک سانس میں بنکاک پہنچادیا۔ یہ جہاز انڈیا کی ہواؤں میں سانس لیتا ہوا' احمد آباد وغیرہ کے اوپر سے پرواز کرتا ہوا اب ساؤتھ ایسٹ ایشیا میں داخل ہوگیا ہے۔

بنکاک پر عملہ جہاز بدل گیا۔ نیا عملہ آگیا۔ سب کے سب دوست۔

"----توبہ توبہ! جناب حکیم صاحب' آپ اس تکلیف دہ جگہ کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ آپ آگے تشریف لائیے---" نئے عملۂ جہاز نے جو بنکاک سے جہاز اُڑانے آیا تھا اس نے بے اختیار اظہار کیا۔ میں نے اصرار سے انکار کیا' مگر کوئی نہ مانا سب نے مجھے فرش سے اٹھاکر عرش پر لابٹھایا۔ یعنی اکونومی کلاس سے فرسٹ کلاس میں لاکر براجمان کردیا۔ میں بے حد شرمایا۔ میں نے پیسے دیے ہیں تیسرے درجے کے' بیٹھ رہا ہوں اوّل درجے میں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ نونہالو! میں تو درزی کی سوئی ہوں۔ وہ گاڑھے میں بھی چلتا ہے مخمل میں بھی۔ میں سرد گرم کا عادی ہوں۔ ہر جگہ راحت محسوس کرتا ہوں۔

میرے نونہالو! ہر انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ خود کو ہر ماحول میں ایڈجسٹ کرنا چاہیے۔ ہر ماحول کو سازگار بنانا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آرام پسند انسان ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ میرے نونہالو! تم آرام طلب نہ بن جانا۔ دنیا میں آرام طلب انسان کام یاب نہیں ہوتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو محنت کرتے ہیں' سختیاں برداشت کرتے ہیں وہ ہمیشہ کام یاب رہتے ہیں۔

سفر جاری ہے!

بنکاک پر کوئی ایک گھنٹہ ہوائی جہاز ٹھیرا۔ پھر اس نے پرواز کی۔ اعلان کے مطابق تین گھنٹے دو منٹ میں بنکاک سے منیلا (دارالحکومت فلی پینز) ہوائی جہاز اتر گیا۔ یہاں بھی ایک گھنٹہ ٹھیرا۔ منیلا سے تو ہوائی جہاز میں اتنے مسافر سوار ہوئے کہ جہاز لبالب بھر گیا! فرسٹ کلاس میں تو سب کے سب جاپانی تھے۔ کوئی کرسی خالی نہ رہی۔ یہاں سے پرواز پھر شروع ہوئی۔ تین گھنٹے ۳۵ منٹ میں ناریتا ائرپورٹ ٹوکیو (جاپان) لاکر جہاز نے اتار دیا۔ ہوائی سفر اس طرح تیرہ گھنٹے میں ختم ہوا۔ دو گھنٹے قیام اور ساڑھے گیارہ گھنٹے اُڑان! اُڑان کے ساتھ وقت بھی بدلتا گیا۔ جب کراچی میں ساڑھے بارہ بجے تھے تو بنکاک میں اس وقت ڈھائی بجے تھے۔ جب کراچی میں ساڑھے بارہ بجے تھے تو منیلا میں صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے۔ اب ٹوکیو میں دن کا ایک بجا ہے تو کراچی میں صبح کے نو بجے ہیں۔

ناریتا ائرپورٹ

نونہالو! لو اب تھوڑا سا حال ناریتا ائرپورٹ کا بھی سن لو۔

ناریتا ٹوکیو انٹرنیشنل ائرپورٹ پر ہر سال دو کروڑ مسافر آتے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ ائرپورٹ جاپان کا مرکزی دروازہ ہے۔ مسافروں کی کثیر تعداد میں آمد و رفت کے پیشِ نظر اس ائرپورٹ کو دنیا بھر میں چھٹا درجہ حاصل ہے۔

لیکن ناریتا کا یہ ٹرمینل مسافروں کی کثیر تعداد کے باعث روز بروز پُرہجوم اور وسائل کی کمی کا شکار ہوتا جارہا تھا۔ مسافروں کی تعداد میں اضافے

کے باعث یہ ضروری تھا کہ مسافروں کے لیے فوری طور پر ایک دوسرا ٹرمینل تعمیر کیا جائے جو اس بڑھتے ہوئے ہجوم کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرسکے۔ بالآخر ایک دوسرا ٹرمینل تعمیر کیا گیا جس کا آغاز ۱۹۹۲ء میں دسمبر میں ہوا۔

نونہالو! یہ نیا ٹرمینل ایک مرکزی عمارت، ایک عظیم سٹیلائٹ اور ایک شٹل کار پر مشتمل ہے جو دونوں ٹرمینل کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہے۔ یہ نیا ٹرمینل پرانے ٹرمینل کی نسبت ڈیڑھ گنا بڑا ہے اور اس کا شمار دنیا کے چند بڑے ٹرمینل میں ہوتا ہے۔ اس ٹرمینل کی تکمیل نے بالآخر وہ گھٹن اور وہ ہجوم کم کردیا جس کے باعث یہ صورتِ حال بروز بروز اس طرح خراب ہوتی جارہی تھی جیسے چھٹی کے دنوں میں ٹوکیو کے ریلوے پلیٹ فارم کی ہُوا کرتی ہے جہاں ایک میلے کا سماں ہوتا ہے۔

ٹرمینل نمبر دو میں جہاں سے مسافر روانہ ہوتے ہیں وہاں مسافروں کی سہولت کے لیے جانچ پڑتال کے کئی کاؤنٹر ایک قطار میں بنائے گئے ہیں۔ ٹرمینل نمبر ایک میں اتنی وسیع سہولت حاصل نہیں تھی۔ یہ لابی ستونوں کے بغیر تین سو میٹر لمبی ستاون میٹر چوڑی اور نو میٹر بلند ہے۔ یہاں کی سہولیات سے جاپان کی اپنی فضائی کمپنی جاپان ائرلائن کے علاوہ جاپان ہی کی تین دوسری فضائی کمپنیاں اور اٹھائیس غیرملکی فضائی کمپنیاں بھی مستفید ہوتی ہیں۔ ان غیرملکی فضائی کمپنیوں کے لیے زمینی انتظامات و سہولیات جاپان ہی کی فضائی کمپنیاں مہیا کرتی ہیں۔

یہ ٹرمینل دیکھنے والوں کو پہلی ہی نظر میں متاثر کرتا ہے۔ نیو ٹوکیو

انٹرنیشنل ائرپورٹ کے حکام کا یہ کہنا ہے کہ یہ نیا ٹرمینل ہر لحاظ سے پرانے ٹرمینل سے چار گنا بہتر ہے۔

نونہالو! اس ٹرمینل کی تعمیر سے پہلے صورتِ حال بہت گنجلک سی تھی۔ مسافروں کا ہجوم، چھوٹے چھوٹے کاؤنٹرز، کھانے پینے کے بے ہنگم اسٹال جو اب نئے ٹرمینل کی وجہ سے ماضی کا خواب ہوگئے ہیں۔ پہلے مسافر یہاں کے ہجوم میں گھِر کر رہ جاتے۔ ان کے ہاتھوں میں ان کے ضروری کاغذات ہوتے اور وہ اپنی پرواز کی یقین دہانی اور دیگر معلومات کے لیے افراتفری کے عالم میں اِدھر سے اُدھر دوڑتے ہوئے خود کو دوسرے درجے کا مسافر محسوس کیا کرتے تھے۔ لیکن اب نئے اور بہترین سہولیات سے مزیّن بڑے بڑے کاؤنٹرز کی موجودگی میں کوئی مسافر بھی کسی قسم کے احساسِ کم تری کا شکار نہیں ہوتا۔

اس ٹرمینل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک وسیع و عریض علاقے میں تعمیر کیا گیا ہے۔ جانے کے لیے گزرگاہیں اور مسافروں کی انتظارگاہیں نگاہوں کے سامنے ایک کشادہ منظر پیش کرتی ہے۔ یہ صورتِ حال ٹرمینل نمبر ایک کے ساتھ نہیں تھی۔

ٹرمینل نمبر دو کی مرکزی عمارت میں آنے جانے کے لیے آٹھ راستے ہیں اور سٹلائٹ میں چودہ۔ مسافروں کی سہولیات کا اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ اوسطاً ہر دو راستوں یا دروازوں کے لیے ایک لاؤنج تعمیر کیا گیا ہے جہاں کشادہ اور خوب صورت صوفے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ لہٰذا مسافر حضرات اب اپنی پرواز کے انتظار کے دوران اِدھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھرتے بلکہ انھیں

بیٹھنے کے لیے جگہ بڑی آسانی سے مل جاتی ہے۔ ایک قابلِ ذکر سہولت یہ بھی ہے کہ ان اوقات کے علاوہ جب طیاروں کی آمد و رفت زیادہ ہوا کرتی ہے مسافروں کو یہ آسانی حاصل ہے کہ وہ شٹل بس استعمال کیے بغیر براہ راست اپنے طیارے تک جاسکتے ہیں۔

ایک خودکار شٹل کار سسٹم حال ہی میں متعارف کروایا گیا ہے جو مسافروں کو مرکزی عمارت سے سٹیلائٹ تک لے جاتا ہے۔ یہ خود مختار شٹل بھی اس نئے ٹرمینل کی ایک قابلِ ذکر خوبی ہے۔ ہوا میں پرواز کرتی ہوئی اس شٹل کو تاروں کے ذریعے رواں رکھاجاتا ہے۔ چار عدد شٹل کاریں مرکزی عمارت سے ایک منٹ کے عرصے میں مربوط ہوجاتی ہیں۔ یہ ساڑھے سات سو مسافروں کو لے جاسکتی ہے۔ یہ تعداد دو جمبوجیٹ لائن طیاروں کی تعداد کے برابر ہے۔

ٹرمینل نمبر دو کی گزرگاہ بہت طویل ہے۔ یعنی سٹلائٹ میں تقریباً پانچ سو میٹر اور مرکزی عمارت میں ساڑھے سات سو میٹر۔ لیکن نئے ٹرمینل میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ مسافر حضرات کی آمد و رفت کے دوران گیٹ تک پہنچنے کے لیے تین سو میٹر سے زیادہ کا فاصلہ طے نہ کرنا پڑے۔

اب اِدھر اُدھر پریشانی کے عالم میں ان کے بھٹکنے کا امکان بھی نہیں رہا۔ ٹرمینل نمبر دو میں بے شمار حفاظتی انتظامات کے سبب آمد ورفت کے مسافروں کو الگ الگ منزلوں پر دیکھا جاتا ہے۔ جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے گزرگاہوں کا یہ خودمختار زینہ (Elevator) ایک ہی سمت رواں دواں رہتا ہے۔ اگر کوئی مسافر اپنا گیٹ بھول جاتا ہے تو اسے

واپس آنا پڑتا ہے۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ گزرگاہوں کے خودکار زینوں پر قدم رکھنے سے پہلے اپنا گیٹ نمبر ذہن نشین کرلے۔

مسافروں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں یہ اچھی طرح معلوم ہو کہ وہ جس ائرلائن سے سفر کررہے ہیں اس کی پرواز ٹرمینل نمبر ایک سے ہے یا نمبر دو سے۔ مسافروں کو لانے لے جانے کے لیے بسیں اور شٹل ریل موجود ہے۔ اگر کوئی مسافر یہ محسوس کرے کہ وہ غلط ٹرمینل پر آگیا ہے تو وہ دوسرے ٹرمینل تک جانے کے لیے بسیں یا شٹل بس حاصل کرسکتا ہے جس کا کوئی کرایہ نہیں ہوتا۔ یہ بسیں دس دس منٹ کے وقفے سے چلا کرتی ہیں۔

نونہالو! مسافروں کے لیے سب سے اکتادینے والا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ اپنی پرواز کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔اس نئے ٹرمینل میں ایسی دل چسپ سہولیات بھی مہیا کی گئی ہیں کہ وہ کسی بھی لمحے بوریت محسوس نہیں کرسکتے۔ ٹرانزٹ مسافروں کے لیے انھیں تازہ دم رکھنے کو شاندار غسل خانے موجود ہیں۔ ہلکی پھلکی نیند لینے کے لیے آرام دہ بستر کے انتظامات ہیں۔ ایک آڈیو وڈیو ہال ہے۔ بچوں کے کھیلنے کے لیے ایک ایسا کمرہ ہے جو جدید اور نہایت دل چسپ کھلونوں سے بھرا ہوا ہے۔

ناریتا ائرپورٹ پر جب میں باہر آیا تو نہایت پیارے انسان جناب وسیم باری صاحب موجود تھے۔ نہایت شائستہ و شستہ انسان۔ گلاب جیسے چہرے پر مسکراہٹ۔ اخلاق و اخلاص کی روشنیوں سے وسیم باری کا چہرہ منور تھا۔ جس انسان کا دل کدورتوں سے پاک ہوتا ہے اس کے چہرے پر ہمیشہ چمک دمک رہتی ہے۔ان کے ساتھ پاکستان ائرلائنز کا عملہ بھی تھا۔

انھوں نے منٹوں کی منٹوں میں مجھے ہر مرحلے سے گزار دیا۔ سامان بھی جلد ہی مل گیا۔ ہم باہر آگئے۔ دیکھا تو میری بیٹی پروفیسر ڈاکٹر موموکوچیبا منتظر تھیں۔ وہ اپنے ابّا حکیم سے چمٹ گئیں۔ مسرّت کے آنسو موموکو کی آنکھوں میں تیر گئے۔ نہایت شان دار خاتون ہیں ۔ موموکو نے بتایا کہ وہ ۲۲ر اگست کو ایتھنز(دارالحکومت یونان) لیکچر دینے جارہی ہیں۔ موموکو میری طرح دنیا بھر میں جاتی رہتی ہیں۔ جناب وسیم باری کی نہایت آرام دہ موٹرکار میں ہم ماکوہاری پرنس ہوٹل میں آگئے۔ کمرہ تیار تھا۔ وسیم باری صاحب سے میں نے درخواست کی کہ وہ اب آرام کریں۔ میں نے چاہا کہ موموکو چیبا کو ان کے ساتھ ٹوکیو بھیج دوں، مگر موموکو نے کہا کہ میں پانچ بجے تک آپ کے ساتھ رہوں گی اور آپ کو میٹنگ میں بٹھاکر جاؤں گی!

ماکوہاری پرنس ہوٹل

نونہالو! جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو کا نیا پچاس منزلہ ہوٹل دنیا بھر میں شہرت پارہا ہے کیونکہ وہ ہوٹل کے ساتھ ساتھ ایک عالمی کاروباری مرکز بھی ہے۔ ماکوہاری پرنس ہوٹل شہر کے وسط میں ماکوہاری میسے کے پہلو میں خلیج ٹوکیو کے کنارے واقع ہے۔ اس ایک سو اَسّی میٹر بلند عمارت میں مسافروں کے آرام اور سہولت کا مکمّل خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کے ایک ہزار ایک کمروں سے خلیج ٹوکیو کا دل فریب نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ اس ہوٹل میں مسافروں کے لیے بہت سی سہولتیں ہیں جن میں سب سے اوپری منزل کا لاؤنج اور ریستوراں ہیں جہاں مسافروں کو انواع و اقسام کے کھانے اور نت نئی ڈشیں پیش کی جاتی ہیں۔ پرنس ہوٹل میں شادی ہال اور کانفرنس ہال کی

سہولت بھی مہیا ہے۔اس کے علاوہ ماکوہاری پرنس ہوٹل کاروباری اور تفریحی علاقے میں واقع ہے جہاں آسانی سے پہنچاجاسکتا ہے۔ٹوکیو کے ناریتا انٹرنیشنل ائرپورٹ سے وہاں تک کار کے ذریعہ سے تیس منٹ میں پہنچاجاسکتا ہے جب کہ ٹوکیو کے دوسرے انٹرنیشنل ائرپورٹ ہنیدا سے کار کا پچاس منٹ کا فاصلہ ہے۔ ٹوکیو اسٹیشن سے ایکسپریس ٹرین میں تیس منٹ لگتے ہیں۔شیبامرین اسٹیڈیم سے پیدل چار منٹ کا فاصلہ ہے۔ جب کہ ٹوکیو ڈزنی لینڈ کار کے ذریعہ سے یہاں تک بیس منٹ میں پہنچا جاسکتا ہے۔

نونہالو! ماکوہاری پرنس ہوٹل کی بالائی منزلوں میں مغربی طرز کا اسکائی لاؤنج اور چینی جاپانی ریستوراں ہیں۔ چھیالیسویں منزل پر ڈائننگ روم ہیں۔ پانچویں منزل سے پینتالیسویں منزل تک مسافروں کے لیے رہائشی کمرے ہیں جن کی کھڑکیاں سمندر کی طرف کھلتی ہیں۔ چوتھی منزل پر کانفرنس روم اور بزنس سروس سینٹر ہے۔ دوسری اور تیسری منزل پر شاپنگ آرکیڈ اور تفریحی گارڈن ہے۔پہلی منزل پر بوفے لاؤنج لابی اور دُکانیں ہیں۔ تہ خانے کی پہلی منزل پر اسٹیک ہاؤس ہے۔ پرنس ہوٹل کی پہلی منزل پر ایک اطالوی طرز کا ریستوراں اور دوسری منزل پر ایک بنکوئٹ ہال بھی ہے۔

وارداتِ قلب

نونہالو! اللہ تعالیٰ تم کو فراست اور دانائی عطا فرمائیں۔ تمھارے دلوں کو پاکستان کی محبت سے بھردیں۔ تمھارے دماغ کو اعلا ذہن اور تمھارے ضمیر کو روشن کردیں۔ تمھیں علم و حکمت سے مالا مال کردیں۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے بڑائی مقدّر فرمادیں۔اللہ تعالیٰ تم کو آزادی کی قدر کرنا سکھادیں۔ تم

آزادی کے محافظ بن جاؤ۔ غلامی تمھارے قریب نہ آنے پائے۔ اللہ تعالیٰ تم کو دین و دنیا کی ہر سُرخ رُوئی عطا فرمائیں۔ سپاہ اسلام تمھارا مقام ہو۔ شرافت، صداقت، دیانت اور امانت تمھارا ایمان بن جائیں۔ تمھارا اخلاق بلند ہو اور کردار تمھارا لاثانی ہو۔ آمین!

نونہالو! میں نے سرزمینِ جاپان پر قدم رکھا تو میرے دل پر بڑی عجیب کیفیت طاری ہوئی ہے۔ دل پر بڑی عجیب گزری ہے۔ میرے دل میں ایک درد اٹھا ہے۔

ماضی کا سفر

ہندُستان میں مسلمانوں سے انگریزوں نے حکومت چھین لی۔ مسلمانوں کو اپنا غلام بنالیا۔ مسلمانوں کے بادشاہ کو گرفتار کرکے رنگون (برما) میں قید کردیا۔ ان کی اولاد کو فقیر بنادیا، بھکاری بنادیا، محتاج کردیا۔ انگریز نے مسلمانوں کو غلام بناکر ان کو ظلم کی ہر چکّی میں پیس دیا۔ غلامی نے مسلمانوں پر زوال طاری کردیا۔ آزادی کی ہر نعمت ان سے چھین لی۔ علم و حکمت سے مسلمانوں کو انگریز نے محروم کردیا۔ ہندُستان کے ہندو کو اپنا دوست بناکر انگریز نے مسلمانوں کو دُہری غلامی میں جکڑ ڈالا۔ سات آٹھ سو سال نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرکے مسلمان اب اقتدار سے محروم ہوگئے۔

میرے عظیم نونہالو!

آخرکار مسلمان جاگ اٹھے۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف پہلی بغاوت کی۔ انگریز کا ظلم اور بڑھ گیا۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے دام میں اور زیادہ جکڑ لیا۔ نہایت شدید حالات تھے۔ مسلمانوں کو اب معلوم ہوگیا کہ

آزادی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے اور غلامی ایک عذاب ہوتا ہے اور غلامی جہنّم ہوتی ہے، دوزخ ہوتی ہے۔

غلامی دور ہوئی، آزادی آئی

نونہالو! پھر ۱۹۴۷ء آیا۔ دوسو سال کی غلامی دور ہوئی۔ آزادی کا ہلالی پرچم لہرایا۔ نونہالو! یاد رکھنا کہ اس آزادی کو حاصل کرنے کے لیے لاکھوں انسان اپنی جان سے گئے۔ لاکھوں نونہال یتیم ہوئے۔ لاکھوں نوجوان اسیر ہوئے۔ لاکھوں بزرگوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی۔ پاکستان قائم ہوگیا! اللہ اکبر۔ لاالہ الااللہ۔

میرے عظیم نونہالو! تم نے غور کیا کہ دوسو سال کے بعد مسلمان آزاد ہوئے۔ پاکستان بنایا۔ پاکستان اس لیے بنایا کہ اب ہندُستان میں جو مسلمان رہ گئے ہیں ان کو بھی آزاد کردیا جائے گا۔ ہاں ہاں پاکستان کا مطلب یہی تھا کہ ہندُستان میں کوئی مسلمان ہندو کا غلام نہ رہے۔ پاکستان اس لیے بنایا تھا کہ اب ہندُستان کے باقی مسلمانوں کی گردنوں میں غلامی کا طوق اور ان کی ٹانگوں میں پڑی ہوئی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دیا جائے گا۔ ہندُستان پر ایک بار پھر مسلمان حکم رانی کریں گے۔

میرے پیارے نونہالو!

مگر ذرا غور کرو ہم نے پاکستان میں کیا کیا ہے؟ میرے عزیزو! ہم نے تو اپنی آزادی کو عیش و عشرت میں لُٹانا شروع کردیا ہے! کیا قیامت ہے یہ! ہم نے پاکستان میں اپنی آزادی کھونی شروع کردی۔ ہم نے خود صرف ۲۴ سال میں پاکستان کے دو ٹکڑے کردیے۔ اور اب آدھے پاکستان کو کاٹنا شروع کردیا

ہے۔ ہم نے اپنے عمل سے نہایت بے غیرتی کے ساتھ اب امریکا کو پاکستان آنے اور ہم پر حکومت کرنے کی دعوت دے دی ہے۔ ہم تو آج پاکستان میں اپنی آزادی فروخت کرر ہے ہیں۔ہم اپنی آزادی بیچ رہے ہیں۔ ہم پاکستان کو بھی فروخت کرر ہے ہیں! ہم پاکستان کو نوچ رہے ہیں۔

جاپان کی غلامی اور آزادی

نونہالو! جنگِ عظیم دوم (سکنڈ ورلڈ وار) کے اختتام پر امریکا نے جاپان پر ایٹم بم گرائے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی دو بڑے شہروں کو منٹوں میں صفحۂ ہستی سے مٹادیا۔ ہزاروں لاکھوں جاپانی مار دیے اور پھر جاپان کو غلام بنالیا۔

آزاد جاپان غلام بن گیا۔ امریکا نے جاپان پر قبضہ جمالیا۔ اس کی آزادی چھین لی۔ مگر جاپانی زندہ قوم تھی۔ اسے زندہ رہنے کا شعور تھا۔ اسے آزادی کا مطلب معلوم تھا۔ جاپان کا ہر فرد تعلیم یافتہ تھا۔ ہر جاپانی جاپان سے محبت کرتا تھا۔ ہر جاپانی کو غلامی سے نفرت تھی۔ ہر جاپانی محنت کش تھا۔ جاپان کا ہر نوجوان جِدّوجُہد کرتا تھا۔ ہر نونہال اور ہر نوجوان پڑھتا تھا۔

جاپان نے جلد آزاد ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

امریکا کے جنرل میک آرتھر نے شہنشاہ جاپان کی توہین کی تھی۔ بے عزّتی کی تھی۔ اپنے دفتر میں شہنشاہ جاپان کو حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ اپنے دفتر میں بلاکر جنرل میک آرتھر نے پورے جاپان کی ناک کاٹ دی تھی۔ اہلِ جاپان نے اس کا بدلہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس لیے کہ ہر جاپانی اپنے شہنشاہ کی عزّت کرتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کے لیے جان دے دیتا ہے۔

میرے عظیم نونہالو!

عظیم جاپان جِدّوجُہد میں مصروف ہوگیا۔خاموشی کے ساتھ جاپان کا ہر انسان جاپان کی تعمیرِ نو میں مصروف ہوگیا۔جاپان کا ہر انسان غلامی کی زنجیریں کاٹ کر پھینک دینے میں مصروف ہوگیا۔ آزادی کا متوالا بن گیا۔ یاد رکھو کہ آزادی ہمیشہ محنت سے آتی ہے اور محبت سے قائم رہتی ہے۔ صرف چالیس سال کے نہایت قلیل عرصے میں جاپان دنیا کا سب سے بڑا صنعت کار ملک بن گیا۔ آلاتِ برقی(الیکٹرونکس) میں جاپان نے کمال حاصل کرلیا۔ موٹرسازی میں دنیا کے ہر ملک کو پیچھے چھوڑ دیا۔ امریکا کو جاپانی موٹرکاروں کی منڈی بنالیا۔ برقی سامان' ریڈیو' ٹیلے وژن' کیمرے' خردبین'سائنسی آلات غرض ہر میدان میں پیش قدمی کرکے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

نونہالو! آج جاپان آزاد ہے۔ آج امریکا کے مقابلے میں جاپان کی معاشی حالت شان دار ہے۔ جاپان کے یَن نے امریکا کے ڈالر کو شکست دے دی ہے۔ آج امریکا جاپان کا محتاج ہوگیا ہے۔ آج امریکا جاپان کے سامنے سوالی بن گیا ہے۔ آج امریکا جاپان سے ڈرا ہوا ہے' خائف ہے' سہما ہوا ہے۔ وہ چین اور جاپان میں اتحاد قائم ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔

نونہالو! آج جاپان کا ہر فرد فخر کے ساتھ اپنی عظمت پر شکرگزار بنا ہوا ہے۔اس کا دل مسرور ہے' خوش ہے۔ وہ آج آزاد ہے۔ وہ آج خوش حال ہے۔ آج جاپان دنیا کے ہر ملک کی مدد کررہا ہے۔ ہر ملک کو امداد دے رہا ہے!

یہ ہیں آزادی کی برکات!

کتنا بڑا فرق ہے!

ہم دوسو سال رات دن جِدّوجُہد کرکے آزاد ہوئے۔ پاکستان بنالیا۔

آزادی کی ہواؤں میں سانس لیا، مگر اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہم نے صرف چالیس سال میں پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ ہم نے پاکستان سے محبت نہیں کی۔ پاکستان کی بوٹیاں نوچ نوچ کر ہم اسے کھاگئے۔ پاکستان کو ہماری دولت کی ہوس نے کنگال کردیا۔ ہم بے ایمان بنے۔ اللہ اور رسولؐ کو چھوڑ کر دشمنوں کو دوست بنایا اور پھر ان دشمنوں کے ہاتھ اپنی ہر آزادی فروخت کردی۔

ادھر تم ذرا جاپان کو دیکھو۔ صرف چالیس سال میں آزاد ہوکر اس نے دنیا کی ہر قوم کو للکارا ہے۔ امریکا کو نیچا دکھایا ہے۔ جاپان نے امریکا سے بدلہ ایٹم بم سے نہیں لیا بلکہ علم و حکمت سے لیا ہے۔ سائنس کے میدانوں میں آگے بڑھ کر امریکا کو نیچا دکھادیا ہے۔

نونہالو! یہ ہے علم و حکمت کی برکت

میں نے جاپان کی مقدّس سرزمین پر قدم رکھا تو دیکھا کہ ہر جاپانی کا چہرہ سُرخ ہے اور مسکراتا ہے۔ ہر جاپانی اپنی آزادی پر نازاں ہے۔ ہر جاپانی اخلاق سے پیش آتا ہے۔ جاپانی بڑا ہے اس لیے جھکتا ہے۔ جب درخت پر پھل آتے ہیں تو درخت جھک جاتا ہے۔

نونہالو! پھر میں نے پاکستان کے حالات پر غور کیا۔ ہمارے سیاست داں کس طرح آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاکستان کے صنعت کار کس طرح پاکستان کو لُوٹ کر اسے کنگال کررہے ہیں۔ ہم کس قدر شرمندہ ہیں۔ دنیا میں ہماری کوئی عزّت نہیں ہے۔ کوئی آبرو نہیں ہے۔ آزادی کی نعمت کو ٹھکراکر ہم نے غلامیوں میں خود کو جکڑ لیا ہے۔

دوسرا باب

نونہالو! دنیا کی کوئی قوم اتنی تیزی سے دوبارہ اپنے پیروں پر نہیں کھڑی ہوئی ہے جس تیزی سے جاپانی قوم اپنی شکست کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔ جاپانی قوم کو ۱۹۴۵ء میں جس شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا ویسی شکست اسے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جنگ کے نتیجے میں جاپان کے ۳۱ لاکھ افراد ہلاک ہوچکے تھے۔ ان میں لاکھوں شہری تھے۔ جاپان کے شہروں پر آتش گیر بموں کی بارش ہوئی اور پھر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بم گرا کر انھیں تباہ و برباد کردیا گیا۔ ملک کی تیس فی صد آبادی بے گھر ہوچکی تھی۔ آمد و رفت کے ذرائع مفلوج ہوچکے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی سخت قلّت تھی۔ ملک کی آبادی کا بیشتر حصّہ فاقہ کشی سے دوچار تھا۔ افراطِ زر کا یہ عالم تھا کہ جاپانی سکّے یَن کی قیمت سوگنا گر گئی تھی۔ حالات سخت مایوس کُن تھے،لیکن جاپانی قوم حوصلہ نہیں ہاری تھی۔ وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور جنگ سے پیدا ہونے والے ملبے سے ایک نیا جاپان اُبھرا۔

جاپان کی صنعتی ترقّی

نونہالو! جاپان نے اپنی معیشت کو بحال کرنے کے لیے صنعتوں کو ترقّی

دینے پر توجّہ دی اور بہت جلد وہ جاپان جس کی مصنوعات دنیا میں دوسرے درجے کی سمجھی جاتی تھیں اعلا معیار کا سامان تیار کرنے لگا۔ آؤ میں تمھیں بتاؤں کہ یہ سب کیسے ہوا۔

نونہالو! بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک کے اتنے مختصر عرصے میں جاپان کی اتنی زبردست معاشی اور اقتصادی ترقّی کا راز کیا ہے۔ جنگِ عظیم دوم کے بعد جاپان کی حیرت انگیز صنعتی، مشینی اور معاشی ترقّی کا جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر دو ایسے اسباب نظر آتے ہیں جنھوں نے جاپان کی ترقّی کو دوسرے ملکوں کے لیے قابلِ رشک بنادیا ہے۔ نمبر ایک اسلحہ اور دیگر فوجی سازوسامان بنانے والی صنعتوں کی فوری طور پر گھریلو ضرورت کا سامان بنانے والی صنعتوں میں تبدیلی اور نمبر دو، دوسرے ممالک کی صنعتوں سے صحّت مند مقابلے کا رجحان۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپان میں فوجی اسلحہ سازی کی صنعت اپنے عروج پر تھی اور تمام فیکٹریاں فوجی نوعیت کے آلات و سامان بنانے میں مصروف تھیں۔ مزدوروں اور انجینئروں کو ایسی فیکٹریوں میں لگادیا گیا تھا جو بحری اور برّی فوج کے لیے طیارے، اسلحہ، حسّاس آلات، راڈار اور فوجی مواصلات کی دیگر اشیاء تیار کرتی تھیں۔

پھر ۱۹۴۵ء میں وہی فیکٹریاں ضروریاتِ زندگی کی دیگر اشیاء تیار کرنے والی صنعتوں میں تبدیل کردی گئیں۔ جہاں فوجی سازوسامان تیار کیا جاتا تھا

وہاں کپڑا بننے لگا' جہاں راڈار کی تیاریاں ہوتی تھیں وہاں الیکٹرونک کی مصنوعات نظر آنے لگیں۔

۱۹۴۵ء میں "امن سمجھوتے" کے ذریعے جاپان پر فوجی سازوسامان تیار کرنے کی پابندی لگادی گئی تھی۔ وہ صرف اپنے لازمی دفاع کے لیے فوجی نوعیت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تیار کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جاپان پر باقاعدہ فوج رکھنے پر بھی پابندی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ فوجی ٹیکنالوجی اور سازوسامان تیار کرکے دوسرے ملکوں کو برآمد بھی نہیں کرسکتا۔ان تمام پابندیوں کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ جاپان میں اسلحہ سازی کی اور دیگر فوجی صنعتوں کا کوئی وجود نہیں رہا لہٰذا ساری قوتِ کار دوسری کارآمد صنعتوں کی طرف مرکوز ہوگئی۔

فوجی طاقت

نونہالو! وہ ممالک جو اسلحہ سازی کی بڑی اور جدید صنعتوں کے مالک ہیں ان کا بنیادی مقصد صرف اور صرف جدید اور تباہ کن اسلحہ کی تیاری اور ان کا بیچنا ہے۔ اس بات سے قطعِ نظر کہ اس جدید فوجی سازوسامان کی قیمت کتنی زیادہ ہے دوسرے ممالک کی افواج اس سامان کو ضرور خریدتی ہیں۔اس کا بنیادی سبب اس جدید اسلحہ کی بہتر پرفارمنس ہوتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر مارکیٹ میں رسد و طلب کے قوانین آزادانہ طور پر کام نہیں کرتے لہٰذا اگر ایک مرتبہ کوئی بھی اسلحہ ساز فیکٹری حکومت کا کنٹریکٹ حاصل کرلے تو اس قسم کی فیکٹریاں اپنے ملک کا فعال ذیلی ادارہ بن جاتی ہیں اور ان کے نفع و نقصان کی تمام تر ذمّے داریاں ان کا اپنا ملک برداشت کرتا ہے۔ انجینئروں

اور سائنس دانوں کی خدمات مہنگے معاوضوں پر حاصل کرلی جاتی ہیں اور ایسی فیکٹریوں کو حکومت کی طرف سے یہ یقین دہائی کرائی جاتی ہے کہ چاہے کچھ ہوجائے ان کے مال کی کھپت ہوتی رہے گی اور وہ ہمیشہ فائدے میں رہیں گے۔

لیکن دیگر صنعتوں میں صورتِ حال بہت مختلف اور مشکل ہوتی ہے۔ان صنعتوں کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔مثلاً دوسری فیکٹریوں سے مسابقت، مال کی کھپت اور ان کا معیار، قیمتوں کا اتار چڑھاؤ، مارکیٹنگ، اشتہارات، مارکیٹنگ ریسرچ، اشیاء کو بہتر بنانے کی ریسرچ جیسے شعبوں پہ خطیر رقم خرچ کرنا ہوتی ہے۔پیشہ ور ماہرین کی مہنگے داموں خدمات، محدود بجٹ اور ان سب کے علاوہ اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ ان کی فیکٹری نفع حاصل کرے گی یا خسارے میں جائے گی۔

یہ صورتِ حال ان فیکٹریوں کے لیے اور بھی پیچیدہ اور دشوار ہوتی ہے جو پہلے فوجی استعمال کی چیزیں تیار کرتی ہوں اور بعد میں انھیں شہری سہولیات اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی اشیا تیار کرنے میں لگادیا گیا ہو، کیونکہ یہ دونوں چیزیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

جاپان میں جب فوجی نوعیت کی اشیا تیار کرنے والی فیکٹریاں غیرفوجی سامان(یعنی ضروریاتِ زندگی کی دیگر اشیاء) تیار کرنے لگیں تو حیرت انگیز طورپر ان کی کارکردگی اور معیار میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔اس کے علاوہ ان صنعتوں نے اپنی قیمتوں پر بھی مکمّل کنٹرول حاصل کرلیا اور اضافی منافع حاصل کرنے لگیں جب کہ عام صارف بھی زیادہ مطمئن نظر آئے آخر یہ اقتصادی

کرشمہ کس طرح ہوا؟

اس قسم کی کامیابی حاصل کرنے کے لیے بہت ذہین اور شان دار منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابتدا میں ان صنعتوں کو کثیر تعداد میں انجینئروں اور سائنس دانوں کی ضرورت تھی تا کہ وہ اپنے مال کے معیار کو جدید ترین معیار کے مطابق بنا سکیں۔ تو اس سلسلے میں انتہائی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ان سائنس دانوں اور انجینئروں کو جو فوجی طیارے بنانے میں مصروف تھے گاڑیوں کے پلانٹ پر لگادیا گیا کہ ان کے کام کی نوعیت تقریباً ایک جیسی تھی۔ فوجیوں کے لیے دوربین وغیرہ بنانے والوں کو کیمرے بنانے کی فیکٹریوں میں تبدیل کردیا گیا۔ راڈار اور دیگر حسّاس آلات بنانے والے کارخانے الیکٹرونک کی مصنوعات سے منسلک ہوگئے۔ بلاشبہ اس قسم کی تیکنیکی تبدیلیوں نے جاپان کی اقتصادی ترقّی کی راہوں کو مزید ہموار کردیا۔

نونہالو! جنگ کے بعد کے ابتدائی برسوں میں امریکا میں کچھ چیزوں کی تیاری اور ان پر ریسرچ کو محدود کردیا گیا تھا۔ جاپانیوں نے اس صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور یہاں کے انجینئر اور سائنس دان نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے اور تیار کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اس سلسلے میں ان کا پرانا تجربہ ان کے بہت کام آیا۔ وہ لوگ جو راڈار کی تیاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے وہ اب اعلا الیکٹرون مائکرواسکوپ ٹیکنالوجی میں اپنے جوہر دکھانے لگے۔ وہ لوگ جو آبدوزوں اور طیاروں کی صنعتوں سے وابستہ تھے انھوں نے اپنے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلٹ ٹرین تیار کرلی۔ جنگ کے زمانے میں فیول پمپ تیار کرنے والوں نے نئے نئے کار آمد انجن بنانے شروع کردیے

اور یہ سب اس لیے ممکن ہوسکا کہ ان لوگوں کو ان کی پیشہ ورانہ مہارت کی روشنی میں وہی کام دیے گئے جو ان کے مزاج کے مطابق تھے اور ان کی پیشہ ورانہ تربیّت کا نچوڑ تھے۔

نونہالو! جب ۱۹۵۱ء میں امریکی قابض فوجیں جاپان سے چلی گئیں تو پورے ملک میں نجی صنعتوں کے قیام کا عمل تیزی سے شروع ہوگیا۔ اس سلسلے میں جاپان کے حکومتی اداروں اور محکموں نے دل کھول کر ایسے لوگوں کی مدد کی جو صنعتیں قائم کرنا چاہتے تھے۔ نجی صنعتوں اور تجارتی کمپنیوں میں سرمایہ کاری میں نہایت تیزی سے اضافہ ہوا جب کہ ریسرچ اور ڈیویلپمنٹ میں بھی سرمایہ کاری بڑھا دی گئی۔ بین الاقوامی تجارت کی وزارتِ سائنس اور ٹیکنالوجی کی وزارت اور دوسرے ادارے کاروباری حلقوں کی مدد پر کمربستہ ہوگئے۔ جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے لیے تحقیقی منصوبوں پر خطیر رقم خرچ کی جانے لگی۔ ایسے لوگوں کو انتہائی آسان شرائط پر قرضے دیے گئے۔ ان کے لیے ٹیکس میں بھی چھوٹ دی گئی۔ اس کے علاوہ انتہائی اعلا سطح پر سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم شروع کردی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سائنس دانوں اور انجینئروں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوگئی جس نے اپنی ذہانت اور مہارت سے پورے ملک میں صنعتی انقلاب برپا کردیا۔ آج جاپان کی تیار کردہ اشیاء جہاں معیار میں اعلا ہوتی ہیں وہاں قیمت میں دوسروں سے کم بھی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے جاپان میں صنعتی ترقی بامِ عروج پر پہنچ گئی بلاشبہ اس طرح سے بین الاقوامی سطح پر بھی ترقی میں اضافہ ہوا اور پورے کرۂ ارض پر جاپانی صنعتیں چھاگئیں۔

نونہالو! آج کل جاپان میں دُہری صنعت کی اصطلاح بھی رائج ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ جنگ کے بعد فوجی صنعتوں کو غیر فوجی صنعتوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا لیکن اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ غیر فوجی صنعتیں فوجی صنعتیں بھی بنا دی جائیں۔ ایسی صنعتوں کو دُہری صنعت کا نام دیا جاتا ہے اور اس قسم کی ٹیکنالوجی ملکی دفاع کے کام آ سکتی ہے۔ ایسی صنعتیں زیادہ تر وہ ہیں جہاں آج کل انتہائی حسّاس ٹی وی سیٹ بنائے جاتے ہیں۔ وہ راڈار بنانے کے کام آ سکتے ہیں۔ اسی طرح کی دیگر صنعتوں کو بھی اسی انداز سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا باب

نونہالو! میں نے ابھی تمھیں بتایا ہے کہ جاپان نے عالمی جنگ میں شکست کھانے اور زبردست تباہی سے دوچار ہونے کے بعد کس طرح اپنے آپ کو سنبھالا اور مستقبل کے لیے ایک راہِ عمل متعین کر کے ہمت اور حوصلے، تدبّر اور منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کیا۔ اب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ جاپان کیا کیا چیزیں بناتا ہے۔ ان میں سے بہت سی چیزیں تو تمھارے اپنے گھروں میں استعمال ہوتی ہوں گی۔

موٹر کاریں

جاپان کی موٹر کاروں کی صنعت نے ۱۹۰۰ء کے بعد تیزی سے ترقّی شروع کی۔ ملک میں گاڑیوں کا استعمال بڑھا اور دوسرے ملکوں میں بھی جاپانی موٹر گاڑیوں کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ اس وقت دو ملکوں مغربی جرمنی اور امریکا میں سب سے زیادہ موٹریں تیار ہو رہی تھیں، لیکن جاپان کی موٹر گاڑیوں کی صنعت نے اس تیزی سے ترقّی کی کہ ۱۹۶۷ء میں مغربی جرمنی کو اور ۱۹۸۰ء میں امریکا کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا میں امریکا کے بعد سب سے زیادہ کاریں جاپان میں استعمال ہوتی ہیں اور ان کی برآمد سے جاپان

خوب زرِمبادلہ کمارہا ہے۔ جاپانی کاریں دنیا کے ہر حصّے میں نظر آتی ہیں۔امریکا اور یورپ کے ملکوں نے جاپانی کاروں کی برآمد کو روکنے کی بہت کوشش کی ہے اور طرح طرح کی پابندیاں لگائی ہیں' مگر جاپان نے مختلف ترکیبوں سے ان کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا ہے اور جاپان کی کاریں اور دوسری موٹرگاڑیاں اب بھی دنیا میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ ان کے ڈیزائن خوب صورت اور کارکردگی بہترین ہے۔قیمت کے لحاظ سے بھی یہ امریکی اور یورپین کاروں سے بہتر ہوتی ہیں۔

جاپانی موٹرسائیکلیں

دو پہیوں والی اس سواری پر جاپان کو فخر ہے جو ساری دنیا کی مارکیٹ پر چھائی ہوئی ہے۔ بڑے پیمانے پر برآمد ہونے کے علاوہ یہ ملک میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

موٹرسائیکل کی صنعت کی ابتدا یورپ سے ہوئی۔ جاپان میں یہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد شروع ہوئی اور پھر تیزی سے پھیل گئی۔ بعد میں بہت سی کمپنیاں میدان میں کود پڑیں مگر فنّی اعتبار سے مقابلہ نہ کرسکنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ منظرِعام سے غائب ہوگئیں۔ اس وقت جاپان میں چار کمپنیاں موٹرسائیکلیں تیار کررہی ہیں جن میں ہونڈا' یاماہا' سوزوکی اور کاواساکی شامل ہیں اور یہ ساری دنیا کی مارکیٹ کو کنٹرول کررہی ہیں۔

گھریلو استعمال کی چیزیں

نونہالو! جاپان بجلی اور الیکٹرونکس کی صنعت میں اس وقت سب سے آگے ہے۔ اس نے ساری دنیا میں ایک مقام حاصل کرلیا ہے۔ ۱۹۵۷ء میں

اس صنعت نے باقاعدہ کام شروع کیا اور ملک میں اس کی فیکٹریاں لگائی گئیں۔ پھر تو ہر سال اس کی پیداوار دوگنی ہونے لگی۔۱۹۶۱ء کے آخر تک جاپان کے اَسّی فی صد گھروں میں ٹیلے وژن آگیا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں پہلی بار رنگین ٹیلے وژن نشریات کا آغاز ہوا۔ بعد کے سالوں میں پیداوار میں اتنا اضافہ ہوا کہ ہر گھر میں ایک کے بجائے دو دو اور تین تین سَیٹ نظر آنے لگے۔ لوگوں نے ضرورت کے مطابق بڑے اور چھوٹے ٹیلے وژنوں کا انتخاب کرنا شروع کردیا۔ ٹیلے وژن پاکٹ سائز میں بھی دستیاب ہونے لگے۔

۱۹۷۵ء میں وی سی آر پہلی بار متعارف ہوا۔ ۱۹۸۰ء تک اس صنعت نے کافی ترقّی کرلی اور ویڈیو ٹیپ کے بجائے ویڈیو ڈسکیں آگئیں' اس کے بعد ڈیجیٹل آڈیو کمپیکٹ ڈسک متعارف ہوئی۔ اس دوران ویڈیو کیمرے نے بھی کافی ترقّی کرلی۔ آٹومیٹک فوکس والے چھوٹے کیمرے بازار میں آگئے۔۱۹۸۵ء میں آٹھ ملی میٹر کا ایک کیمرا متعارف کرایا گیا جس کا وزن ایک کلوگرام سے بھی کم تھا۔

کمپیوٹر ـــــــ جس نے صنعت کی کایا پلٹ دی

نونہالو! کمپیوٹر ۱۹۴۶ء میں امریکا میں پروان چڑھا۔اسے مردم شماری' میزائلوں کی پرواز' معلوماتی خزانے' الجھنوں کا حل تلاش کرنے اور لمبے لمبے حسابات لگانے میں استعمال کیاجاتا تھا۔ پہلے یہ کمپیوٹر بہت بڑے ہوتے تھے' ایک کمرے کے برابر' مگر پھر جب مسلسل تجربات کرنے کے بعد انھیں بہتر شکل دی گئی تو کمپیوٹر کی جسامت کم ہوگئی اوراس کی کارکردگی بڑھ گئی۔

کمپیوٹر کو اب ہر شعبۂ زندگی میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے معاشرے میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ اب اس کا استعمال اتنا عام ہوگیا ہے کہ اسے گھڑیوں، تھرمومیٹر، ٹیلی وژن، وی سی آر، واشنگ مشینوں اور کاروں میں لگایا جانے لگا ہے، یہاں تک کہ نئی مصنوعات میں اس کی شمولیت لازمی ہوگئی ہے۔ کمپیوٹر بینکنگ اب کریڈٹ کارڈوں کی طرح عام ہوگئی ہے۔ کمپیوٹر روزانہ بینک کی ہر شاخ سے معلومات اور اعداد و شمار جمع کرکے مرکزی آفس میں پہنچادیتا ہے، پھر وہاں ان معلومات کا تجزیہ کرکے حساب کتاب لگایا جاتا ہے جس سے انتظامیہ کو فیصلہ کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ ڈیزائن بنانے والوں کو بھی اب کافی سہولت ہوگئی ہے اور وہ کمپیوٹر کی مدد سے براہ راست ڈیزائن بنانے لگے ہیں۔ فیکٹریوں میں روبوٹوں کو کنٹرول کرنے اور اعداد و شمار فراہم کرنے کے لیے بھی ان سے مدد لی جارہی ہے۔ طب میں بیماریوں کا سراغ لگانے کے لیے بھی اسے استعمال کیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر سی ٹی اسکینر وغیرہ۔

نونہالو! مجھے وہ دن دور نظر نہیں آرہا جب کمپیوٹر ناگزیر ہوجائے گا اور تعلیمی میدان میں اپنی راہیں بناکر نئی نسل کو اپنے استعمال سے آگاہ کرکے انھیں جدید دور کے تقاضوں سے روشناس کرائے گا۔

کار آمد ایجادات

نونہالو! دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں جاپانی فوج کی ضرورتوں کے پیشِ نظر گھڑی، کیمرے اور دوسری ایجادات نے کافی ترقی کی۔ جنگ کے بعد ان ایجادات کو عام آدمی کی زندگی میں سہولت اور فائدہ پہنچانے کے لیے

استعمال کیا گیا۔ ۵۰ء اور ۶۰ء کے عشرے میں گھڑی کی ٹیکنالوجی سوئزرلینڈ کے برابر پہنچی اور اس کے بعد اس سے سبقت لے گئی۔ اسی طرح سے کیمرے کی صنعت مغربی جرمنی سے آگے نکل گئی۔

الیکٹرونکس کے آنے کے بعد ان دونوں صنعتوں میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی۔ ڈیجٹل گھڑیوں کی ایجاد سے کلائی پر باندھنے والی گھڑیوں میں ایک نیا اور خوش گوار تصور پیدا ہوا۔ سیکو کمپنی نے کوارٹز گھڑی متعارف کرائی اس کے فوراً ہی بعد دوسری کمپنیوں نے اس صنعت کو ترقی دی۔

۱۹۷۷ء میں کونیکا نے آٹوفیکس کیمرا متعارف کیا۔ اس کے بعد دوسری کمپنیاں بھی بازار میں کود پڑیں اور انھوں نے وہی حیثیت حاصل کرلی جو کسی زمانے مین ری فلیکس کمپنی کو حاصل تھی۔ گھڑیوں اور کیمرے کی صنعت نے ایسی نت نئی مشینری بھی تیار کرنا شروع کردی جو طبی اور کاروباری میدان میں مددگار ثابت ہوئی۔ جاپان کی کینن کمپنی جس کے کیمروں کی بازار میں سب سے زیادہ فروخت تھی' نے کاپیئر اور کیلکولیٹر تیار کرنا شروع کردیے اور یہ اس حد تک مقبول ہوئے کہ ان کی فروخت کیمرے سے بڑھ گئی۔

الیکٹرونکس کے استعمال کے بعد صنعت و حرفت کے دوسرے میدانوں مثلاً پانی' گیس میٹر اور عمدہ اسکیلوں (پیمانوں) نے خوب ترقی کی۔

خود کار فیکٹریاں

نونہالو! مائکرو الیکٹرونکس نے انسان کو اس قابل بنادیا ہے کہ صنعتی روبوٹوں کو کنٹرول کرکے ان سے طرح طرح کے کام لے سکے۔ مائکرو الیکٹرونکس کے وجود میں آنے کے بعد ایسی فیکٹریاں قائم کرنے کا رجحان بڑھ

گیا ہے جو کمپیوٹرائزڈ روبوٹوں سے کام کرتی ہیں۔ ان سے بڑے پیمانے پر معیاری مصنوعات تیار کرنا ممکن ہوگیا ہے۔

جاپان میں نہایت جدید خودکار فیکٹریاں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگروں کی کمی ہے اور ان کی اجرتوں میں بڑی حد تک اضافہ ہوچکا ہے۔ نسان اور دوسری فیکٹریاں اس کی اچھی مثال ہیں۔ مگر فونک کارپوریشن کی فیکٹری سب سے بہترین ہے۔ وہاں گوداموں سے خام مال نکال کر اسے فیکٹری میں پہنچانے سے لے کر مصنوعات کی مکمّل تیاری تک سارا کام روبوٹ کرتے ہیں۔ ایسے کارخانوں میں چوبیس گھنٹوں کام ہوسکتا ہے اور انسان کو خطرات سے دور رکھنا بھی ممکن ہوسکا ہے۔

لیکن نونہالو! ان خودکار فیکٹریوں میں بھی کوئی انسان ضرور ہوتا ہے جو روبوٹوں کو پروگرام کے مطابق حرکت دیتا ہے اور اگر وہ کوئی غلطی کرتے ہیں تو ان کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مرکزی کنٹرول روم سے ان متحرک مشینوں کی نگرانی بھی کرتا رہتا ہے اور پروڈکشن کا خیال رکھتا ہے۔

فولاد کی صنعت

فولاد جاپان کی صنعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد پیداوار میں اضافہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اس اہم صنعت پر توجّہ دی گئی۔ اس طرح بعد کے تیس سالوں میں فولاد کی پیداوار ٹیکنالوجی اور اوزاروں کی حیثیت سے اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ جنگ کے فوراً بعد سمندر کے کنارے اس صنعت کے بڑے بڑے پلانٹ لگائے گئے۔ اس صنعت کے عروج کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان پلانٹس کی بھٹّیاں

خودکار تھیں جن سے پیداوار میں اَسّی فی صد اضافہ ہوگیا۔

اب تمام اوزار اور پرزے فولاد سے تیار نہیں ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے میٹریل نے لے لی ہے۔ اس کے گھریلو استعمال میں بھی کمی آگئی ہے۔ ین کی قیمت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے برآمدات بھی گھٹ گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کوریا اور دوسرے ملکوں سے مسابقت بڑھ چکی ہیں۔ اس کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے اس صنعت کو چاہیے کہ وہ بین الاقوامی تعاون سے کاربار کو فروغ دے، پھر قیمت میں استحکام اور توانائی میں بچت کرتے ہوئے پیداوار میں اضافہ کرے۔ اس وقت یہ صنعت عقلی منصوبہ بندی کے تحت کامیابی سے آگے بڑھ رہی ہے۔

کیمیاوی صنعت

کیمیاوی صنعت ایسی بہت سی بنیادی اشیاء تیار کرتی ہے جو دوسری صنعتوں میں خام مال کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ہی ایسی اشیاء کی تیاری میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے جو تقریباً ہر گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزیں کپڑا وغیرہ۔

صنعتوں کے لیے خام مال میں نمک، کاربائڈ، کوئلہ، پٹرولیم، قدرتی گیس، چربی اور تیل شامل ہیں۔ جنگ کے بعد تیل کوئلے پر سبقت لے گیا اور پھر ۱۹۶۰ء تک اس کا استعمال بہت بڑھ گیا۔ غیر ملکی ٹیکنالوجی کے مثبت استعمال سے اس صنعت کو یہاں تک استعمال کیا جانے لگا کہ اسے فولاد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ اس طرح سے اب یہ صنعت جاپان میں بنیادی اشیاء کی تیاری میں امریکا کے برابر پہنچ چکی ہے اور مغربی جرمنی

سے آگے نکل گئی ہے۔

کاغذ

نونہالو! گتّے اور کاغذ کی پیداوار کے لحاظ سے جاپان، امریکا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور کاغذی گودے کے لحاظ سے امریکا، کنیڈا اور روس کے بعد چوتھے نمبر پر ہے۔

جاپان کی یہ تینوں صنعتیں قدرتی وسائل کا اچھی طرح استعمال کرنے کے باوجود کاغذ کی ملکی ضرورت کو پورا نہیں کرپاتیں اس لیے خام مال کنیڈا اور امریکا سے درآمد کرتی ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں یہ درآمد چالیس فی صد تک پہنچ گئی۔

جاپانی اپنے مکانوں کی تعمیر لکڑی اور کاغذ سے کرتے تھے مگر وقت اور اخراجات کی بچت کے پیشِ نظر تیار شدہ تختے استعمال کیے جانے لگے۔ اس طرح سے لکڑی کے بڑے صنعت کاروں کی رسائی گھروں تک ہوگئی۔ اب زیادہ تر امریکی طرز پر تیار شدہ تختے استعمال ہو رہے ہیں جو درآمد کیے جاتے ہیں۔ نئے مکانوں کی تعمیر کے لیے اب نوّے فی صد لکڑی درآمد کی جارہی ہے۔

چوتھا باب

نونہالو! تم جانتے ہو کہ میں جاپان کئی بار آیا ہوں اور میں نے یہاں جگہ جگہ کی سیر کی ہے۔ کچھ تمھارے لیے لکھ دیا، مگر بہت کچھ نہیں لکھا۔ آج میں تم کو جاپان کے بارے میں کچھ اور نہایت دل چسپ باتیں بتاؤں گا۔

جاپان۔۔۔قدیم اور جدید

نونہالو! جاپانی روایت کے مطابق جب قدیم زمانے میں آسمان اور زمین الگ الگ ہوئے تو اس کے بعد ایک دیوتا اور دیوی نے سمندر میں برچھی ماری اور اس سے ٹپکنے والے قطروں سے جاپان کے جزیرے وجود میں آگئے۔ پھر سورج کی دیوی نے اپنا بیٹا ان جزیروں پر بھیجا اور جاپان کا شہنشاہ اسی کی اولاد ہے۔ جاپان کے قدیم لوگ سورج ہی کو اپنے ملک کی محافظ دیوی سمجھتے تھے۔ جاپان کی یہ روایات آٹھویں صدی کی دو کتابوں میں ملتی ہیں۔

نونہالو! قدیم جاپانیوں کا مذہب "شن تو" ہے۔ شن تو کے معنی ہیں "دیوتاؤں کا راستہ" یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں ہے بس ایک سیدھا سادا عقیدہ ہے جس میں دیوتاؤں کو ساری قوّت کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ یہ دیوتا انسانوں میں بھی رہتے ہیں اور فطرت کے مظاہر میں بھی۔ جاپانی روحانی قوت

کو "کامی" کہتے ہیں۔

کامی تمام مرنے والوں کی روح میں ہوتی ہے اور فطرت کے مظاہر جیسے سورج، پہاڑ، ہوا، بارش پتھر اور درختوں میں بھی۔ جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ کامی کی پوجا یا عبادت کرنے سے وہ خوش رہتی ہے اور اگر اس کی پوجا نہ کی جائے یا اس کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ ناراض ہوجاتی ہے اور اس سے تباہی آتی ہے۔ چوں کہ قدیم جاپانی سورج، پہاڑ اور درختوں کو کامی سمجھتے تھے اور براہ راست ان کی عبادت کرتے تھے اس لیے انھیں عبادت گاہوں کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بعد میں ان جگہوں پر جہاں کامی کی عبادت کی جاسکے عمارتیں بنادی گئیں۔ یہی جاپانیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔

مٹی کے برتن

نونہالو! جاپانیوں نے اب سے دس ہزار سال پہلے مٹی کے برتنوں کا استعمال شروع کیا تھا۔ جاپانیوں کی ثقافت اور ان کی زبان کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہوئی ہے۔ چاول کی کاشت کا طریقہ جاپانیوں نے تین سو سال قبلِ مسیح میں چینیوں سے سیکھا۔ اس سے پہلے وہ جانوروں کا شکار کرتے تھے۔ چاول کی کاشت شروع ہونے کے بعد بستیاں وجود میں آئیں اور لوگوں نے مِل جُل کر ایک جگہ رہنا سیکھا۔ کانسی اور لوہے کے برتن اور اوزار بھی چین اور کوریا سے آئے اور جاپانیوں نے انھیں بنانا اور استعمال کرنا شروع کیا۔ مٹی کے برتن اب زیادہ بہتر بننے لگے۔

۳۰۰ عیسوی میں مغربی جاپان میں اونچی قبریں بنانے کا رواج شروع ہوا۔ یہ حکمرانوں کے لیے بنائی جاتی تھیں۔ ایسی سب سے بڑی قبر اوساکا میں

ہے۔ یہ شہنشاہ نن ٹوکو کی ہے اور اس کی لمبائی ۴۸۶ میٹر ہے جو بڑے سے بڑے اہرامِ مصر سے بھی زیادہ ہے۔

نارا

۵۳۸ء میں کوریا سے بودھ مذہب جاپان میں آیا اور جگہ جگہ بودھ مندر بننے شروع ہوگئے۔ یہ مندر اعلا تعلیم کی درس گاہیں بھی تھیں۔ انھوں نے جاپان کی ثقافتی زندگی پر گہرا اثر ڈالا اور عمارتوں کی تعمیر کا انداز بھی بدل ڈالا۔ ۷۱۰ء میں جاپان کا دارالحکومت نارا منتقل ہوگیا۔ یہ شہر ایک قدیم چینی شہر کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ستّر سال تک یہ شہر جاپان کا دارالحکومت رہا۔ اس دور کے تمام بادشاہ بودھ مذہب کے پیرو تھے۔ انھوں نے بودھ ثقافت کو خوب ترقّی دی، لیکن تمام کوششوں کے باوجود یہ مذہب عوام میں مقبول نہیں ہوا اور صرف شہنشاہ اور اس کے امراء ہی اس کے پیرو رہے۔

نیا دارالحکومت

پھر نونہالو! ۷۹۴ء میں شہنشاہ کانمو نے کیوٹو میں ایک نئے دارالحکومت کی بنیاد رکھی۔ یہ نارا سے بڑا اور زیادہ ترقّی یافتہ شہر تھا اور اگلے ایک ہزار سال تک یہ جاپان کا دارالحکومت اور ثقافتی مرکز رہا۔ نونہالو! آج بھی یہ شہر اپنی تاریخی روایات اور خوب صورت بودھ مندروں کی وجہ سے سیّاحوں کی دل چسپی کا باعث ہے۔ میں یہاں بھی گیاہوں اور میں نے وہ خوب صورت عبادت گاہ دیکھی ہے جو ایک ہزار سال پہلے کیوٹو کے دارالحکومت بننے کی یادگار کے طور پر ۱۸۹۵ء میں یعنی اب سے پورے ایک سو سال پہلے تعمیر کی گئی تھی۔

نونہالو! کیوٹو میں امراء کا ایک خاندان تھا فیوجی وارا۔ یہ بڑے طاقت ور تھے۔ انھوں نے اپنی بیٹیوں کی شہنشاہوں سے شادی کر کے بڑی سیاسی قوت حاصل کرلی تھی۔ ان کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں تھیں، دولت تھی۔ یہ عمدہ قسم کے لباس پہنتے تھے اور ٹھاٹ باٹ سے رہتے تھے۔ انھوں نے جاپان میں ایک نئی ثقافت کی بنیاد ڈالی اور شان و شوکت کا معیار قائم کیا۔

سمورائی

نونہالو! سمورائی کے معنی ہیں مصاحب۔ جاپان کی تاریخ میں ان کی خاص اہمیّت ہے۔ یہ جنگ جُو تھے، جو امراء کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کی حفاظت کرتے تھے۔ دارالحکومت کیوٹو میں امراء تو عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے لیکن صوبوں میں افراتفری تھی۔ مسلّح افراد امراء کی زمینوں پر قبضہ کرتے تھے اور سرکاری دفتروں پر بھی حملہ کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لیے سمورائی کو بھیجا جاتا تھا۔ اس طرح سمورائی خاصے طاقت وَر ہوگئے تھے۔ سمورائیوں کے دو قبیلے "گن جی" اور "ہای کے" خاص طور پر بااثر تھے۔ ان دونوں میں رقابت چلتی رہتی تھی۔ ایک زمانے میں ہای کے کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ انھوں نے کیوٹو میں اقتدار پر قبضہ کرلیا، لیکن کچھ عرصہ بعد گن جی قبیلے کے سمورائیوں نے انھیں شکست دے دی اور ۱۱۹۳ء میں گن جی سردار یوری موٹو نے کاماکورا میں ایک فوجی حکومت قائم کردی۔ کاماکورا کا ماحول فوجی تھا اور کیوٹو کا شہری۔ ایک شہر سپاہ گری کے انداز لیے ہوئے اور دوسرا درباری شان و شوکت خوب صورت لباس اور ادب و آداب لیے۔ ایک فوجی مرکز تھا اور دوسرا ثقافتی۔

نونہالو! جاپان میں زیادہ تر بستیاں دارالحکومت کے آس پاس بستی تھیں اور وہیں گہما گہمی نظر آتی تھی، لیکن پندرھویں اور سولھویں صدی میں تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں نے شہروں کو ترقّی دی۔ تاجر ہی ان شہروں کا انتظام کرتے تھے اور یہ داخلی طور پر خود مختار تھے۔ ان ہی شہروں میں جاپانی زندگی کا اصل رخ دیکھنے میں آتا تھا۔ ان ہی میں مختلف تہواروں اور میلوں کی ابتدا ہوئی جیسے گڑیا کا میلہ اور ستارے کا تہوار۔ نونہالو! میں نے اپنی کتاب "یہ جاپان ہے" میں تمھیں جاپان کے قومی تہواروں کا حاصل تفصیل سے بتایا ہے۔ تم نے ضرور پڑھا ہوگا۔

یورپین جاپان میں

نونہالو! ۱۵۴۳ء میں ایک چینی جہاز جو پرتگالیوں کو لے کر جارہا تھا جاپان کے جنوبی جزیرے کیوٹو میں ٹائی گاشیما کے مقام پر تباہ ہوگیا۔ اس واقعے کا جاپان پر گہرا اثر پڑا۔ یہیں سے جاپان کے لوگوں کی یورپ کے لوگوں سے شناسائی ہوئی اور پرتگال اور اسپین کے جہازوں کی جاپانی بندرگاہوں میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ پرتگال اور اسپین کے تاجر اپنی مصنوعات لاکر یہاں بیچنے لگے اور پھر انھوں نے اپنے ہتھیار بیچنے شروع کیے۔ پرتگالیوں کی بندوقیں ایک نئی چیز تھی اور جاپان کے جاگیرداروں نے اسے اپنے لیے بڑا کار آمد ہتھیار سمجھا۔ بندوق کے استعمال نے لڑائی کا انداز بدل دیا اور اب حفاظت کے لیے قلعے تعمیر کیے جانے لگے۔ ہتھیاروں اور یورپ کی دوسری مصنوعات کے ساتھ ایک پرتگالی پادری فرانسس سینٹ زیویر بھی جاپان پہنچا اور یہاں اس نے عیسائی مذہب کی تبلیغ شروع کردی۔ یہ ۱۵۴۹ء کا واقعہ ہے۔ جاپان

میں عیسائی مذہب تیزی سے پھیلنے لگا۔ کچھ جاپانی جاگیرداروں نے جو تاجرانہ ذہنیت رکھتے تھے سینٹ زیویر کو تحفّظ فراہم کیا اور کچھ جاپانی جاگیردار عیسائی بھی ہوگئے۔

باہمی لڑائیاں

نونہالو! ۱۴۰۰ء کے آخر سے ۱۶۰۰ء کے شروع زمانے تک جاپان میں جاگیرداروں کے درمیان شدید لڑائیاں ہوئیں۔ یہ زمانہ جاپان کی تاریخ میں "قوم کی لڑائی" کا دور کہلاتا ہے۔ کوئی جاگیردار بھی اتنا طاقت ور نہیں تھا کہ باقی جاگیرداروں کو قابو میں کرلیتا۔ شہنشاہ بھی بس نام کا شہنشاہ رہ گیا تھا۔ آپس کی لڑائیوں نے ظلم و ستم کی راہیں کھول دی تھیں، عدل و انصاف ختم ہوگیا تھا اور طاقت ور جب چاہتا تھا کمزور کو دبالیتا تھا۔

بالآخر تین سمورائی سرداروں نے ملک میں امن و امان بحال کیا۔ یہ نوبوناگا، ہاڈیوشی اور آئی یاسو تھے۔ انھوں نے امن قائم کرکے ملک کو متّحد کردیا۔ ان تینوں کی انتظامی صلاحیتوں کا آج بھی جاپان میں اعتراف کیا جاتا ہے۔

ہاڈیوشی نے اپنی حکمرانی کے آخری دنوں میں کیوٹو میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور وہاں رہنے لگا۔ یہ ملک میں ایک نئے ثقافتی دور کی ابتدا تھی۔ اب پردوں اور فولڈنگ اسکرینوں پر پھولوں، پرندوں اور چینی شیروں کی خوب صورت تصویریں بنائی جانے لگیں اور جاپانیوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی بھی نقاشی ہونے لگی۔ سونے اور چاندی کے کام والے فولڈنگ دروازے بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔

قلعوں کی تعمیر

نونہالو! دوسرے ملکوں کی طرح جاپان میں بھی ابتدا میں قلعے دشمن سے حفاظت کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں جو لڑائیوں کا دور تھا جو قلعے تعمیر ہوئے وہ عموماً پہاڑیوں پر تھے تا کہ ان پر حملہ کرنا مشکل ہو، لیکن جب ڈھائی سو سال کی خانہ جنگی کے بعد ملک میں امن و امان قائم ہوا تو قلعوں کی تعمیر کا مقصد بھی بدل گیا۔ اب قلعوں سے جنگ کرنے کا نہیں امن قائم رکھنے کا کام لیا جانے لگا۔ یہ اپنے اپنے علاقے کا انتظامی مرکز بن گئے۔ چناں چہ اب قلعے پہاڑوں پر تعمیر ہونے بند ہو گئے اور شہر بن گئے۔ ان قلعوں کی خاص چیز ایک بلند مرکزی عمارت ہوتی تھی جو قلعہ کے مالک کی طاقت کا مظہر ہی نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ قلعہ نما شہر کا نشان بھی ہوتی تھی۔ اسی لیے اسے خوب صورت نقش و نگار سے مزیّن کیا جاتا تھا۔ ایسی بارہ خوب صورت عمارتیں اب بھی جاپان میں موجود ہیں۔

شوگن

نونہالو! سمورائی سردار آئی یاسو خانہ جنگی کا خاتمہ کر کے ملک میں امن و امان قائم کرنے کے بعد ۱۶۰۳ء میں شوگن بن گیا اور ایڈو میں جو اب ٹوکیو ہے، شوگن سلطنت قائم کر دی۔ یہ شوگن سلطنت کوئی دو سو پینسٹھ سال قائم رہی۔ اسے جاپان کی تاریخ میں ایڈو دور کہا جاتا ہے۔ شوگن نے ملک کو تین سو جاگیروں میں تقسیم کر دیا اور ہر جاگیر پر ایک جاگیردار مقرر کیا۔ ان جاگیرداروں کے لیے لازمی تھا کہ وہ ایک سال اپنی جاگیر میں رہیں اور دوسرے سال ایڈو میں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جتنی رقم اپنی جاگیر پر خرچ

کریں اتنی ہی دارالحکومت میں خرچ کریں اور اس طرح کبھی اتنی دولت جمع نہ کرسکیں کہ فوج بناکر شوگن کے مقابلے پر آجائیں۔ اس کے علاوہ ان کو اپنے بیوی بچے بھی ایڈو میں رکھنے پڑتے تھے۔ یہ بھی ایک طرح کی ضمانت تھی کہ وہ شوگن کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ جاگیرداروں کی شوگن سے وفاداری کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ اس کے مرجانے پر وہ ہاراکری یعنی خودکشی کرلے، لیکن بعد میں یہ رسم بند کردی گئی۔

عیسائی مذہب پر پابندی

نونہالو! شروع میں تو عیسائی مشنریوں کو تبلیغ کی اجازت تھی لیکن بعد میں جب انگریز اور ولندیزی پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے حکومت کو خبردار کیا کہ پرتگال اور اسپین جاپان پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنارہے ہیں تو عیسائی مذہب پر پابندی لگادی گئی اور مشنریوں کی تمام سرگرمیاں بند کردی گئیں۔ پھر ۱۶۴۱ء میں جاپان نے تمام ملکوں سے تعلقات توڑلیے۔ اب صرف چین اور ہالینڈ سے ناگاساکی کے راستے تجارت کی اجازت تھی۔ اس طرح نہ صرف عیسائی مذہب کو پھیلنے سے روک دیا گیا بلکہ غیرملکی تجارت کو بند کرکے ملکی تجارت کو فروغ دیا گیا۔ نونہالو! اس کے بعد دوسو سال ایسے گزرے کہ جاپان کا بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہ رہا اور اس طرح جاپان کو اپنی ثقافت اور اپنے مخصوص طرزِ زندگی کو ترقی دینے کا موقع ملا۔

کسانوں کی حالت

نونہالو! جاپانی تاریخ کے اس ڈھائی سو سالہ دور میں جو ایڈو دور کہلاتا ہے کسان جو ملک کی آبادی کا ۸۰ فی صد تھے پوری طرح سمورائیوں کے رحم

وکرم پر تھے۔ وہ کسانوں کے ساتھ بہت برا برتاؤ کرتے تھے اور کسانوں کو اپنی پیداوار کا پچاس سے ساٹھ فی صد حصّہ سالانہ ٹیکس کے طور پر انھیں دینا پڑتا تھا۔ اگر ایک خاندان میں پانچ افراد کا گروپ یہ ٹیکس ادا نہیں کرسکتا تھا تو باقی کو اس کا حصّہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ سمورائیوں نے کسانوں کے لیے زندگی کے جو اُصول مقرّر کیے تھے وہ بھی دل چسپ ہیں۔

☆اگر تمھاری بیوی آسائش پسند ہے تو اس کو چھوڑ دو چاہے وہ کتنی خوب صورت کیوں نہ ہو۔

☆ صبح سویرے اُٹھو اور دیر تک کام کرتے رہو۔

☆ سادگی کو اپنا لباس بناؤ۔

بھاری ٹیکسوں اور زمین کے لگان کی وجہ سے غریب کسانوں کو دن رات سخت محنت کرنا پڑتی تھی۔ ان کے پاس چھوٹے چھوٹے کھیت تھے اور پیداوار اتنی ہی ہوتی تھی جتنی ان کھیتوں پر محنت کی جاتی تھی۔ انھیں زیادہ تر کام اپنے ہاتھوں سے کرنا پڑتا تھا۔ یہ بڑی کٹھن زندگی تھی، لیکن اس کا ایک فائدہ ہوا کہ مشقّت کرنا جاپانیوں کی عادت بن گئی۔

تعلیمی نظام

نونہالو! ایڈو دور میں کوئی قومی تعلیمی نظام نہیں تھا، لیکن تعلیم حاصل کرنے کا جاپانیوں کو شوق تھا۔ عام لوگوں کے بچّوں کے لیے عبادت گاہوں میں مدرسے تھے۔ یہاں استاد بیس تیس کے گروپ میں بچّوں کو پڑھاتے تھے۔ ۱۷۰۰ء کے لگ بھگ ان مدرسوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی اور اس دور کے ختم ہوتے ہوتے ملک میں پندرہ ہزار ایسے مدرسے قائم ہوگئے۔ یہ تعداد

اس اعتبار سے حیرت انگیز ہے کہ لازمی تعلیم کے موجودہ نظام کے تحت جاپان میں اس وقت پرائمری اسکولوں کی تعداد پچیس ہزار سے زیادہ نہیں۔ عبادت گاہوں کے مدرسوں میں پڑھائی، لکھائی اور حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ فوجی طبقے کے بچوں کے لیے ہر جاگیر میں الگ اسکول تھے۔ ان اسکولوں میں ابتداً تو چینی نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی کیوں کہ اس تعلیم کا مقصد اچھے حاکم پیدا کرنا تھا۔ بعد میں پھر دوسرے مضامین بھی پڑھائے جانے لگے جن میں ریاضی، طب، مغربی علوم اور فوجی علوم شامل تھے۔ شوگنی سلطنت کا اپنا الگ اسکول تھا جس نے آگے چل کر ٹوکیو یونی ورسٹی کی شکل اختیار کی۔

تین بڑے شہر

سولھویں صدی کے آخری پچاس سال سے سترھویں صدی کے ختم ہونے تک جاپان میں بہت سے شہر بسے۔ ان میں آبادی کے لحاظ سے تین شہر بڑے تھے۔ ایڈو، اوساکا اور کیوٹو۔ یہ تینوں بڑے شہر حکومت کے کنٹرول میں تھے۔ ایڈو دارالحکومت تھا جس کی آبادی اٹھارویں صدی میں دس لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور یہ دنیا کا سب سے بڑا شہر بن گیا تھا۔ اوساکا جس کی آبادی ساڑھے تین لاکھ تھی تجارتی اور کاروباری شہر تھا۔ یہاں رُپے پیسے کا لین دین ہوتا تھا اور بڑے بڑے تاجر یہیں رہتے تھے۔ کیوٹو میں دربارِ شاہی تھا اور یہ جاپان کی ثقافت اور دست کاریوں کا مرکز تھا۔ اس کی آبادی کوئی چار لاکھ تھی۔

نونہالو! سترھویں صدی کے آخر سے اٹھارویں صدی ختم ہونے تک جاپان کی معیشت نے بڑی ترقی کی اور درمیانہ طبقہ خوش حال ہوا۔

غیر ملکی تہذیب کے اثرات

نونہالو! قدیم دور میں چینی ثقافت کی یلغار کے باوجود جاپان کے لوگوں نے اپنی ثقافت نہیں چھوڑی تھی یعنی ان کا جاپانی پن نہیں گیا تھا۔ یہ نہیں ہوا کہ جو کچھ چین اور کوریا سے آیا اسے قبول کرلیا گیا۔ اگر کچھ قبول کیا تو بھی اسے جاپانیوں نے اپنے مزاج اور ماحول کے مطابق بنا کر قبول کیا۔ اسی طرح جاپان کے لوگوں نے یورپ کے کلچر کو ضرور اہم سمجھا لیکن اس کو معیار ہرگز قرار نہیں دیا۔ انیسویں صدی میں جب مغربی سامراج ہر طرف اپنے پاؤں پھیلا رہا تھا اور ۱۸۵۳ء میں کموڈور پیری کی شکل میں جاپان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا تو جاپان نے چین کی طرف دیکھا جس کے مغربی طاقتیں حصے بخرے کر رہی تھیں اور یہ محسوس کیا کہ اگر اس نے دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی پالیسی ختم نہ کی اور مغرب کے طور طریقوں کو سمجھ کر انھیں اپنی ضرورت کے مطابق نہ اپنایا تو اس کا حشر بھی چین سا ہوگا۔ لیکن نونہالو! جاپان نے اپنے اصل مزاج کو نہیں بدلا اور مغربی کلچر کی ظاہری شکل و صورت کو تو ضروری سمجھ کر اختیار کرلیا، لیکن اس کی روح کو قبول نہیں کیا۔ جاپانیوں نے اپنے آرٹ، سائنس اور موسیقی میں مغربی انداز کو سمونے میں کوئی حرج نہ سمجھا اور اسے اپنے انداز پر ڈھال لیا۔

نونہالو! سیاست میں بھی جاپان نے مغرب کی بعض چیزوں کو مفید سمجھ کر اپنایا۔ چناں چہ جاپان ایشیا میں پہلا ملک تھا جس نے جدید آئین اور پارلیمنٹ کا نظام رائج کیا۔

شہنشاہیت

نونہالو! چوتھی صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک کے زمانے کو چھوڑ کر جو قومی استحکام کا دور تھا' جاپان کے شہنشاہوں کو کبھی سیاسی طاقت حاصل نہیں رہی اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ سیاسی خلفشار سے دور رہے۔ کچھ ان کی امن پسندی کی وجہ سے اور کچھ ان کی روایتی حیثیت اور تقدّس کی وجہ سے جاپان کے لوگ اپنے شہنشاہ کو قومی اتّحاد کا مظہر سمجھتے ہیں اور ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔

پہلے جاپان کے لوگ شہنشاہ کو انسان کی شکل میں دیوتا سمجھتے تھے' لیکن موجودہ شہنشاہ کے والد ہیرو ہیٹو نے ۱۹۴۶ء میں اپنی اس حیثیت کو ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ جاپان کے موجودہ آئین میں شہنشاہ کو قومی اتّحاد کی علامت قرار دیا گیا ہے تاہم ان کا تقدّس اور احترام اب بھی قائم ہے۔

جاپان کے موجودہ شہنشاہ اکی ہیٹو ہیں جو اپنے والد شہنشاہ ہیروہیٹو کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۹۰ء میں تخت پر بیٹھے وہ جاپان کے ۱۲۵ ویں شہنشاہ ہیں۔ ان کی ملکہ مچی کو ہیں۔ وہ شاہی خاندان سے نہیں ہیں۔

نظامِ حکومت

نونہالو! آؤ تمہیں میں جاپان کے نظامِ حکومت کے بارے میں بھی بتادوں۔ جاپان میں صحیح معنوں میں جمہوری نظام ہے۔ شہنشاہ کا ساری قوم احترام کرتی ہے' وہ ان کے اتّحاد کی نشانی اور قوم کا سربراہ ہے لیکن حکومت کے معاملات میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ پارلیمنٹ جو دو ایوانوں پر مشتمل ہے قانون بناتی ہے۔ ایوانِ نمائندگان کے ۵۱۲ ممبر ہیں جو چارسال

کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔ ایوانِ مشاورت کے ۲۵۴ ممبر ہیں جو چھے سال کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔ وزیرِاعظم کو پارلیمنٹ کے ممبر منتخب کرتے ہیں اور وہ اپنی کابینہ بناتا ہے۔

احساسِ ندامت

نونہالو! جاپانی سوسائٹی کا ایک نہایت اچھا پہلو احساسِ ندامت (شرمندگی) ہے جس کی وجہ سے جاپان میں دنیا میں سب سے کم جرائم ہوتے ہیں۔ جاپان کے لوگوں کا اچھے عمل کا ایک معیار ہے اور وہ اس کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور اگر وہ اس میں ناکام ہوجاتے ہیں تو نہ صرف دوسروں کی نظر میں بلکہ اپنی نظر میں بھی گرجاتے ہیں۔ اس سے ان میں سخت شرمندگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہی احساسِ ندامت ان کو غلط کام کرنے سے باز رکھتا ہے۔

پانچواں باب

نونہالو! آؤ اب کچھ جاپان کی معاشرتی زندگی کا حال دیکھیں۔ اس سلسلے میں پہلے جاپانی گڑیوں کا ذکر ہوگا۔

داروما۔ جاپانی گڑیا

نونہالو! جاپان کی کاغذ کی بنی ہوئی روایتی گڑیاں جن کو داروما کہا جاتا ہے خوشی اور خوش بختی کی علامت ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق داروما گڑیاں جاپان میں پہلی بار چودھویں صدی عیسوی میں بنائی گئیں۔ ایدو عہد میں جس کا آغاز سترھویں صدی میں ہوا تھا اس قسم کی گڑیاں پہلی بار منظرِعام پر آئیں۔ اس زمانے میں چیچک نے جاپان میں وبائی مرض کی صورت اختیار کرلی تھی۔ چونکہ جاپانی عقیدے کے مطابق لال رنگ چیچک کو بھگا سکتا تھا لہٰذا ایسے والدین جن کے بچے اس مرض کی وجہ سے خطرے میں تھے وہ اپنے بچوں کے بستر کے سرہانے لال داروما رکھتے تھے!

داروما کی نمائش کا جشن ہر سال کے آخری اور شروع مہینے میں مشرقی جاپان کے بہت سے حصّوں میں منایا جاتا ہے۔

داروما گڑیاں خریدنے کے بعد لوگ مختلف آرزوؤں اور خواہشوں کے ساتھ ان کی آنکھوں کی خالی جگہ ایک آنکھ میں روشنائی لگانے کے بعد

انھیں اپنے گھروں، دفتروں اور گھریلو قربان گاہوں میں رکھتے ہیں۔ ایک سال گزرنے کے بعد لوگ اس سال اپنی کسی خواہش کی تکمیل یا بغیر کسی حادثے کے سال گزر جانے کے شکرانے کے طور پر اس کی دوسری آنکھ میں روشنائی بھرتے ہیں۔

جس وقت داروما گڑیوں کو ان کی دوسری آنکھ ملتی ہے تو ان کا کام پورا ہوجاتا ہے۔ ایک سال پرانی داروما گڑیوں کو دیگر تعویزوں کے ساتھ جلانے کے لیے مندروں اور زیارت گاہوں میں لے جایا جاتا ہے جہاں مقامی رواج کے مطابق چند رسومات کی ادائیگی کے بعد انھیں جلادیا جاتا ہے!

ایدو عہد کا تہوار

کاواگو شہر ٹوکیو کے نواح میں ہے۔ جہاں آج بھی ایدو کے جاگیردارانہ عہد کی یادیں تازہ کی جاتی ہیں۔ یہ عہد ۱۶۰۳ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک پھیلا ہوا ہے۔ کاواگو کی گلیوں اور بازاروں کی بڑی بڑی دُکانیں آج بھی یہ احساس دلاتی ہیں کہ اس عہد کے تاجر اور دُکاندار کتنے خوش حال ہوا کرتے تھے۔

اس شہر میں پرانے طرز کا ایک گھنٹہ گھر بھی ہے جو اس عہد کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔ ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اس شہر کو ایدو عہد کی مکمّل تصویر کہا جاسکتا ہے۔

نونہالو! ہر سال چودہ اور پندرہ اکتوبر کو اس عہد کی یاد میں ایک خاص تہوار منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر انتہائی خوب صورت تقریباً بیس فلوٹ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں دوڑائے جاتے ہیں۔ ہر فلوٹ کے گِرد پُرجوش نوجوانوں کا ہجوم ہوتا ہے جو پرانے انداز کے پائپ اور ڈرم سے اس تہوار کی خاص

دُھنیں بجاتا ہے۔

تہوار کی دوسری صبح شہر کے لوگ اپنے علاقوں کی مناسبت سے اپنے فلوٹ کو کھینچتے ہوئے اسمبلی ہال تک لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ روایتی لباس پہنے ہوتے ہیں۔ یہ فلوٹ شام کے وقت اور بھی خوب صورت لگتے ہیں کیونکہ خاص قسم کی لالٹینیں روشن کردی جاتی ہیں اور فلوٹوں پر قدِ آدم پُتلے اور گڑیاں قدیم لباسوں میں رقص کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

نونہالو! اس دور کی یادیں جنھیں موجودہ دور کی مشینی زندگی نے بُھلادیا ہے اس تہوار کی وجہ سے دوبارہ زندہ ہوجاتی ہے۔ اس وقت ٹوکیو جیسے شہر کے نواح میں ہونے والا یہ تہوار بہت غنیمت ہے!

کیمونو۔ جاپان کا روایتی لباس

نونہالو! فیشن کی دنیا میں جاپانیت اس صدی کے شروع میں اپنے عروج پر تھی، لیکن اس سے بہت پہلے یورپ میں جاپانی لباس کیمونو استعمال ہونے لگا تھا۔

جیسا کہ میں نے تمھیں بتایا ہے ایدو جو اب ٹوکیو ہے، کی جاگیردارانہ حکومت نے ۱۶۳۹ء میں جاپان کو باہر کی دنیا سے الگ تھلگ کردیا تھا۔ اس کے بعد دوسو سال سے زیادہ عرصے تک کسی غیر ملکی جہاز کو جاپان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف ہالینڈ کے لوگوں کو اپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ تجارت کرنے کی اجازت تھی اور وہ بھی ناگاساکی کی بندرگاہ تک محدود تھی۔ ہالینڈ کے تجارتی وفدوں کے لیڈر اپنے اجازت ناموں کی تجدید کرانے کے لیے اکثر خشکی کے راستے سفر کرتے ہوئے دارالحکومت ایدو جاتے

تھے۔ وہ شوگن اور اس کے اعلا افسروں کو نذرانے کے طور پر تحفے پیش کرتے تھے اور اس کے جواب میں شوگن اور ان کے اعلا افسران کو ریشمی کیمونو دیتے تھے۔

یہ کیمونو اپنی خوب صورتی کی وجہ سے ہالینڈ میں بہت مقبول ہوئے۔ وہاں کیمونو کو "جاپانی قبا" کا نام دیا گیا اور مردوں نے اسے گاؤن کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ مغربی خواتین کے لیے بھی کیمونو کے خوب صورت لباس میں بڑی دل کشی تھی اور وہ بھی اسے استعمال کرنے لگیں۔ بعض اوقات کو کیمونو کو کاٹ کر مغربی فیشن کا لباس بھی اس سے بنالیتی تھیں۔

نوہ

نونہالو! جاپان کی رقص اور موسیقی کی روایات بہت پرانی ہیں۔ ان میں نوہ نے جو ایک سوانگ ہے چودھویں صدی میں باقاعدہ فن کی شکل اختیار کی۔ "نوہ" ایک ڈرامہ ہوتا ہے جس میں کردار بولتے ہیں اور منظر کشی کے لیے آٹھ دس افراد مل کر گاتے ہیں۔ بانسری اور طبلے کی سنگت میں ایک داستان گو کہانی کو آگے بڑھاتا ہے۔ نوہ میں مرکزی کردار انسان کی اندرونی کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں۔

نوہ کے علاوہ جاپان کے دو اور مقبول کھیل "کابوکی" اور "بن راکو" ہیں۔ کابوکی جاپان کے روایتی رقص پر مبنی ہے اور بن راکو ایک قسم کا پتلی تماشا ہے۔ کابوکی تھیٹر ہے اور اس میں سارے کردار مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، صرف مرد ادا کرتے ہیں۔ مرد عورتوں کا سوانگ بھرتے ہیں اور بڑی کامیاب ایکٹنگ کرتے ہیں۔

مارشل آرٹس

نونہالو! جوڈو، کراٹے، کینڈو اور تیر اندازی جاپان کے مارشل آرٹس (فوجی کھیل) ہیں۔ ان سب کا بنیادی اصول مخالف کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ مغرب کے مارشل آرٹس کا انداز جارحانہ ہے جیسے شمشیرزنی یعنی فننگ تلوار سے وار کیا جاتا ہے، باکسنگ میں گھونسا مارا جاتا ہے۔ جاپان کے مارشل آرٹس کا مقصد ابتداً اپنے اوپر حملے سے اپنی حفاظت کرنا تھا، بعد میں انھیں جسمانی اور ذہنی ڈسپلن کا ذریعہ بھی سمجھا جانے لگا۔ مارشل آرٹس انصاف پسندی، وفاداری اور عزتِ نفس کی تربیّت دیتے ہیں اور ان کی اہمیّت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

جاپانی باغات

نونہالو! جاپان کے لوگ باغات کے بڑے دل دادہ ہیں۔ وہ فطرت سے پیار کرتے ہیں۔ وہ کوئی خالی جگہ دیکھتے ہیں تو فوراً وہاں درخت لگادیتے ہیں۔ وہ باغوں میں قدرتی حُسن تلاش کرتے ہیں۔ وہ پتھروں اور ریت سے باغوں میں پہاڑوں اور سمندروں کا تاثّر پیدا کرتے ہیں۔ ایدو دور میں جاگیرداروں نے اپنی چہل قدمی اور سیروتفریح کے لیے بڑے بڑے باغ لگائے۔ ان میں کچھ اب بھی موجود ہیں۔ جاپان کے باغات جاپانیوں کے خوب صورتی کے تصوّر کی عکّاسی کرتے ہیں۔

جاپانی مکان

نونہالو! جاپانیوں کے روایتی مکانات لکڑی اور کاغذ سے بنائے جاتے ہیں اور یہ بہت ہوا دار ہوتے ہیں۔ ان مکانوں میں عام وضع کے دروازے

نہیں ہوتے بلکہ لکڑی یا کاغذ کے بنے ہوئے پردے ہوتے ہیں جو ایک کمرے کو دوسرے کمرے سے الگ کرتے ہیں۔ان گھروں کو آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے،لیکن جاپان کے موسم اور زلزلوں کے پیشِ نظر یہ بہت موزوں ہیں۔ لکڑی کے مکانوں کی پائیداری کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کی ایک عمارت اب تک موجود ہے۔ جاپانی مکانوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ہر کمرے کو نشست گاہ' کھانے کا کمرہ اور سونے کا کمرہ بنایا جاسکتا ہے اور جب ضرورت ہو درمیان کی پارٹیشن کو ہٹا کر ایک بڑا کمرہ بنایا جاسکتا ہے۔اب جاپان میں کنکریٹ کے مکان بھی بننے لگے ہیں تاہم لکڑی کا استعمال برقرار ہے۔

نونہالو! جاپانیوں کے کھانے اب بہت کچھ بدل گئے ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں کے کھانوں کو جاپان کے روایتی کھانوں کے ساتھ استعمال کیا جانے لگا ہے تاہم جاپانی کھانوں کی خصوصیات اب بھی روایتی انداز سے برقرار ہیں۔

جاپانی کھانوں کی تین خصوصیات لازمی ہیں---اوّل یہ کہ چیز تازہ ہو اور اس طرح پکائی گئی ہو کہ اس کا اصل ذائقہ اور خوشبو باقی رہے۔ دوسری یہ کہ کھانے کو خوب صورتی سے مناسب برتنوں میں سجایا گیا ہو اور موسم کے لحاظ سے رنگ آمیزی کی گئی ہو۔ جاپانی کھانوں کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان میں گوشت عموماً نہیں ہوتا' یہ چاول مچھلی اور سبزیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جاپانی مٹھائیاں جو واگاشی کہلاتی ہیں دیکھنے میں پُرکشش اور ذائقے میں

مزے دار ہوتی ہیں۔

مہمان نوازی

نونہالو! جاپانی بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مہمان کا بڑا احترام کرتے ہیں اور اس کی بہت خاطر تواضع کرتے ہیں۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا مہمان چائے پینا چاہتا ہے یا کافی۔ پھر وہی چیز پیش کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تحفے دینا بھی جاپانیوں کی روایت ہے۔ معمولی معمولی موقعوں پر بھی وہ ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں۔ موسمی تحفے یعنی سال کے وسط میں یا سال کے آخر میں اور نئے سال کے موقع پر تحفے دینا جاپانی ثقافت کا ایک اہم پہلو ہے۔

تعلیم کا اعلا معیار

جاپان نے ایک چھوٹا سا ملک ہونے اور قدرتی وسائل نہ ہونے کے باوجود جو زبردست اقتصادی ترقی کی ہے اس کی وجہ جاپان کا اعلا معیارِ تعلیم ہے۔ جاپان کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ملکوں میں ہوتا ہے جہاں کا ہر بچہ اسکول جاتا ہے اور ہر شخص پڑھنا لکھنا جانتا ہے۔

جاپان میں ہر بچے کو نو سال تک لازمی تعلیم حاصل کرنی ہوتی ہے۔ ان میں چھے سال ابتدائی تعلیم کے اور تین سال جونیئر ہائی اسکول کی تعلیم کے ہوتے ہیں۔ ہائی اسکول کی تعلیم اگرچہ لازمی نہیں ہے، لیکن ۹۴ فی صد بچے ہائی اسکول میں جاتے ہیں۔ ہائی اسکول کے بعد یونی ورسٹی کی تعلیم ہے۔ یہ چار سال کی تعلیم ہے۔ جاپان میں ۴۶۰ سے زیادہ یونی ورسٹیاں، ۹۵ سرکاری اور ۳۴۴ پرائیویٹ اعلا تعلیمی ادارے ہیں۔ جونیئر کالج جہاں دو سال کا کورس

پڑھایا جاتا ہے ان کی تعداد ۵۴۰ ہے۔ایک تہائی سے زیادہ یونی ورسٹی گریجویٹ اعلا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسکول میں پڑھائی اپریل میں شروع ہوتی ہے۔

نونہالو!دنیا میں سب سے زیادہ "پڑھاکو" بچّے جاپان کے ہیں۔ تقریباً سب ہی بچے اسکول میں باقاعدہ تعلیم کے علاوہ پرائیویٹ ٹیوٹرنگ اسکولوں میں بھی پڑھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یونی ورسٹی میں داخلے کاامتحان بہت سخت ہوتا ہے اور اس کے لیے طالب علموں کو مسلسل تیاری کرنا پڑتی ہے۔جاپانی معاشرے میں تعلیمی قابلیت کو ہمیشہ سے بہت اہمیت دی جاتی ہے اور عالم کی بہت زیادہ قدر کی جاتی ہے۔

اخبارات

نونہالو! جاپان میں اخباروں کے بارے میں مَیں نے اپنے جاپان کے پہلے سفرنامے "یہ جاپان ہے" میں بتایا تھا۔ اب پھر سنو۔ جاپان کے تین بڑے قومی اخبار یومیوری شمبون، آساہی شمبون اور مینچی شمبون ہیں۔ یومیوری شمبون، روزانہ ایک کروڑ ۲ لاکھ ۴۰ ہزار اور آساہی شمبون ایک کروڑ بائیس لاکھ کی تعداد میں چھپتا ہے۔مقامی اخباروں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔

محنت کی عادت

نونہالو! صبح سے شام تک کام کرنا جاپانیوں کی ہمیشہ سے عادت رہی ہے۔ تفریح کا کوئی تصور نہیں تھا۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ کہ ٹی وی دیکھ لیا یا آرام کرلیا لیکن اب کام کے اوقات میں کمی، ہفتے میں دو دن کی چھٹّی اور

موسمِ گرما اور سرما میں چُھٹیاں ہونے سے اب تفریح کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جاپانی اب ملک کے تفریحی مقامات پر جانے کے علاوہ غیرملکوں میں بھی سیرو تفریح کے لیے جانے لگے ہیں۔ آمدنی میں اضافے کے باعث ان کو غیرملکوں کے سفر کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔

صنعتی ترقّی اور خوش حالی میں اضافے کی وجہ سے شہروں میں آبادی میں اضافہ ہوا ہے۔ دیہات میں روزگار کے مواقع اور زندگی کی سہولتوں کے کم ہونے کی وجہ سے بھی شہروں کی آبادی بڑھتی ہے۔

جاپان کی آبادی اس صدی کے شروع میں تین کروڑ پچاس لاکھ تھی۔ ۱۹۶۷ء میں بڑھ کر دس کروڑ اور اب بارہ کروڑ سے زیادہ ہے۔

نونہالو! جاپانیوں کے طرزِ زندگی کی بات ہو رہی ہے تو آؤ میں تمھیں دو جاپانی کہانیاں سناتا ہوں۔ یہ کہانیاں جو سترھویں صدی میں لکھی گئی تھیں جاپان کی ان چھے مقبول کہانیوں میں سے ہیں جو جج اوکا کی کہانیاں کہلاتی ہیں۔ ان میں جاپانیوں کی اس سوچ کا اظہار ہوتا ہے کہ کسی مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت قانون سے بڑھ کر عقل سے کام لینا چاہیے۔

پہلی کہانی

ایدو شہر میں ایک چٹائی بُننے والا رہتا تھا۔ اس کا نام سابوروبی تھا۔ جب نیا سال شروع ہونے میں تھوڑے دن رہ گئے تو نئے سال کا تہوار منانے کے لیے اس نے سونے کے تین سکّے ایک ساہوکار سے اُدھار لیے۔ وہ جب یہ رقم لے کر گھر آرہا تھا تو اس کا بٹوا راستے میں کہیں گر گیا۔ اتّفاق سے یہ بٹوا ایک بڑھئی کو ملا جس کا نام چوجارو تھا۔ چوجارو نے بٹوا کھول کر دیکھا تو

اس میں سونے کے تین سکّے تھے۔ سکّوں کے ساتھ ایک لفافہ تھا جس پر لکھا تھا "سابو چٹائی بنانے والے کے نام" لیکن اس کا پتا نہیں لکھا تھا۔ اسے دیکھ کر چوجارو کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ یہ بٹوا سابو کا ہے اور سابو چٹائی بناتا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ رہتا کہاں ہے۔

اب نئے سال کا تہوار قریب تھا اور سب ہی اس کی تیاریوں میں مصروف تھے، مگر چوجارو سب کچھ چھوڑ کر سابو کی تلاش میں لگ گیا تاکہ اس کی رقم اس کو پہنچادے۔ وہ شہر کے ہر محلّے میں جاکر پوچھتا کہ کیا یہاں کوئی چٹائی بنانے والا رہتا ہے۔ فرش کی خوب صورت جاپانی چٹائیاں جنھیں تاتامی کہتے ہیں بنانے والے ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں۔ اس طرح اسے سابو کا پتا مل سکتا تھا۔

چار دن تک اس طرح ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار چوجارو کو سابو مل گیا، لیکن جب اس نے وہ بٹوا جس میں تین سونے کے سکّے تھے سابو کو واپس کرنا چاہا تو سابو نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ "میں تو اپنی رقم کھوچکا ہوں اب یہ سکّے خدا کی طرف سے تم کو ملے ہیں، تم ان کو اپنے پاس رکھو۔"

چوجارو اس کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔ وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر چار دن سے بٹوے کے مالک کو تلاش کررہا تھا۔ اس نے کہا: "میں یہ سکّے نہیں لے سکتا۔ یہ میرے نہیں ہیں۔"

سابو نے لیکن اپنا بٹوا واپس لینے سے انکار کردیا اور کہنے لگا: "یہ تمھیں ملا ہے اور اب یہ تمھارا ہے۔"

جب بات بہت زیادہ بڑھی تو محلّے کے لوگ بیچ میں پڑے اور انھوں نے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوا۔

پھر جھگڑے کو نمٹانے کے لیے وہ شہری عدالت کے جج اوکا کے پاس گئے۔ اوکا نے دونوں کی بات سنی اور ان کی دیانت داری سے متاثر ہو کر فیصلہ کیا کہ بٹوے میں موجود تین سونے کے سکّے سرکاری خزانے میں داخل کر دیے جائیں اور حکومت سابو اور چوجارو کو ان کی دیانت داری کے صلے میں اپنی طرف سے تین سونے کے سکّے دے۔ سابو اور جارو اس فیصلے سے بہت خوش ہوئے۔

کچھ دیر بعد دونوں کو ایک ایک لفافہ ملا جس میں انعام کی رقم تھی، لیکن جب انھوں نے لفافے کھول کر دیکھے تو اس میں دو دو سونے کے سکّے رکھے تھے۔ وہ بہت حیران ہوئے کیوں کہ جج اوکا نے تو یہ فیصلہ دیا تھا کہ حکومت کی طرف سے تین سونے کے سکّے دیے جائیں اور یہ چار سونے کے سکّے بنتے تھے۔ اب یہ ایک سونے کا سکّہ اور کہاں سے آیا؟

دونوں جج اوکا کے پاس آئے اور انھیں یہ بتایا کہ تین کے بجائے لفافوں میں سے چار سونے کے سکّے ملے ہیں۔ جج اوکا نے کہا: "میں تم دونوں کی دیانت داری سے بہت خوش ہوا ہوں اس لیے یہ ایک سونے کا سکّہ میں نے اپنے پاس سے دیا ہے۔ اگر ایک سونے کا سکّہ میرے پاس سے گیا ہے تو تم دونوں کا بھی ایک ایک سکّہ گیا ہے اور وہ اس طرح کہ سابو کے تین سکے کھوئے تھے اسے دو سکّے ملے۔ تمھیں تین سکّے پڑے ملے تھے، تمھارے

پاس دو ہی رہے۔"

دوسری کہانی

شہر میں ایک بڑھئی رہتا تھا۔ وہ بہت دن سے بیمار تھا اور کام نہ کرنے کی وجہ سے اپنے مکان کا کرایہ بھی ادا نہیں کرسکا تھا۔ جب اس پر سونے کے تین سکّوں کے برابر کرایہ چڑھ گیا تو مکان کے مالک نے جس کا نام جوبی تھا بڑھئی سے کہا کہ وہ اس کا مکان خالی کردے۔ جب بڑھئی اس کا مکان خالی کرنے لگا تو اس نے اس کے اوزاروں کا بکس یہ کہہ کر رکھ لیا کہ جب وہ بقایا کرایہ ادا کردے گا تو اس کے اوزار اس کو واپس کردیے جائیں گے۔

بڑھئی نے ایک اور محلّے میں مکان کرایہ پر لے لیا اور وہاں رہنے لگا۔ اس مکان کا مالک ایک نرم دل شریف انسان تھا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ بڑھئی کے اوزار اس کے پچھلے مکان کے مالک نے رکھ لیے ہیں اور ان کے بغیر بڑھئی بے چارا کام نہیں کرسکتا تو اس نے ایک سونے کا سکّہ بڑھئی کو دیا اور کہا کہ وہ یہ سکّہ لے جاکر اپنے پرانے مالک مکان کو دے دے اور یہ وعدہ کرکے اپنے اوزار اس سے واپس لے آئے کہ وہ ان اوزاروں سے کام کرکے بقایا رقم بھی ادا کردے گا۔

بڑھئی اپنے پرانے مکان کے مالک کے پاس گیا اور اس سے وہی بات کہی جو اس کے نئے مالکِ مکان جوبی نے کہی تھی۔ لیکن وہ شخص اس پر تیار نہیں ہوا اور اس نے بڑھئی سے صاف کہہ دیا کہ جب تک تم کرائے کی پوری رقم جو تم پر واجب ہے نہیں دو گے، میں تمھارے اوزار بھی تمھیں نہیں دوں گا۔

بڑھئی مجبور ہو کر جج اوکا کے پاس گیا اور اس سے انصاف چاہا۔ جج اوکا نے بڑھئی کے نئے مالک مکان کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ وہ بڑھئی کو سونے کے دو سکّے اور دے دے۔ جوبی نے جج کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر جج نے بڑھئی سے پوچھا کہ اوزار نہ ہونے کی وجہ سے وہ کتنے دن کام نہیں کرسکا؟ بڑھئی نے جواب دیا: "جناب عالی کوئی ایک سو دن۔"

جج اوکا نے پوچھا: "ایک دن میں تم کتنا کما لیتے ہو؟"

بڑھئی نے جواب دیا: "جناب عالی، تین سے پانچ اونس چاندی کے قریب میں ایک دن میں کمالیتا ہوں۔"

اب جج اوکا نے بڑھئی کے پرانے مالک مکان جوبی کو بلایا اور اس سے کہا: "جوبی، بڑھئی نے تمہارا پورا کرایہ ادا کردیا ہے۔ اب تم بھی اس کا وہ نقصان پورا کرو جو اپنے اوزار نہ ہونے کی وجہ سے اسے برداشت کرنا پڑا ہے۔ تم نے سو دن تک اس کے اوزار اپنے پاس رکھے۔ ان سو دنوں میں وہ تین سو اونس چاندی کے برابر رقم کمالیتا۔ یہ سونے کے پانچ سکّے بنتے ہیں۔ یہ پانچ سکّے تم بڑھئی کو فوراً ادا کردو۔"

جوبی یہ فیصلہ سن کر بہت خفا ہوا، لیکن کیا کرتا اس نے بڑھئی کو سونے کے پانچ سکّے دے دیے۔ بڑھئی نے جو سونے کے تین سکّے اپنے نئے مالک مکان سے لیے تھے، وہ اس کو واپس کردیے اور دو سکّے خوشی خوشی اپنے پاس رکھ لیے۔

چھٹا باب

نونہالو! تم خوب جانتے ہو کہ صحّت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ بیماریوں سے آزادی کا نام صحت ہے اور صحت کا نام یہ ہے کہ انسان کے جسم کا ہر عضو صحت کے ساتھ کام کرتا رہے۔ دماغ کام کرے گا تو پڑھا ہوا سبق جلد جلد یاد ہوتا رہے گا۔ دماغ صحّت مند ہوگا تو پھر سوچ سمجھ خوب اچھی رہے گی۔ اچھے اچھے خیالات ذہن میں آئیں گے۔ بڑے بڑے کام کرنے کے لیے دل چاہے گا۔ یہ دماغ کی صحت ہی تو ہے کہ انسان بڑا بن جاتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ آئن سٹائن بچپن میں بڑا ہی کُند ذہن تھا۔ اسے سبق تک یاد نہیں ہوتا تھا۔اس کی ماں اس کو کوڑ مغز کہتی تھی، یعنی یہ دنیا میں کوئی کام نہیں آئے گا۔ طعنوں تشنوں سے آئن سٹائن پریشان ہوگیا۔ اس نے اپنی صحت پر توجّہ کی۔ اپنے دماغ سے کام لینا شروع کیا۔ خوب کام لیا۔ ذہن پر زور ڈالا۔ ذہن کو یاد کرنے کے لیے مشق کرائی۔ پھر تو آئن سٹائن کے دماغ نے کام کرنا شروع کردیا۔اور وہ دنیا کا ایک بڑا سائنس داں بن گیا۔ ایٹم بم آئن سٹائن ہی کا تو کارنامہ ہے۔ اب حال یہ ہے نونہالو کہ آئن سٹائن کا

دماغ برائے فروخت آج بھی موجود ہے۔ لوگ تحقیق کر رہے ہیں کہ آخر اس دماغ میں کیا خاص بات تھی۔ خیر یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

نونہالو! بات دراصل یہ ہے کہ تم خود اپنے دماغ کو کام کرنے کے لیے کس حد تک آمادہ کرتے ہو۔ اپنے ذہن کو یاد رکھنے کے کرتب تم کیسے سکھاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کا دماغ بہت بڑا بنایا ہے۔ دماغ آج بھی دنیا کا سب سے بڑا کمپیوٹر ہے۔ انسان اپنے دماغ کو کس قدر استعمال کرتا ہے یہ اس کا اپنا کام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اب تک کسی انسان نے دس فی صد سے زیادہ اپنے دماغ سے کام ہی نہیں لیا ہے! جو لوگ ذرا دس فی صد سے زیادہ کام لے لیتے ہیں وہ علم و حکمت میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تم بھی کوشش کرو کہ اپنے دماغ کو زیادہ سے زیادہ کام میں لاؤ۔ نونہال ادب نے آئن سٹائن پر ایک کتاب بھی شائع کی ہے تم وہ کتاب ضرور پڑھنا۔

آئن سٹائن

یہ کوئی دس سال پہلے کی بات ہے کہ اُلم (جرمنی) میں آئن سٹائن کا ایک سو سالہ جشن منایا گیا تھا۔ آئن سٹائن اُلم میں پیدا ہوا تھا۔ اب تو اُلم ایک بڑا شہر بن گیا ہے، مگر چھوٹا شہر۔ اس چھوٹے شہر میں جرمنی کی ایک بڑی اہم یونی ورسٹی ہے جس میں کوئی ۳۵ ہزار طالبِ علم ہیں۔ آئن سٹائن کنگرس میں مَیں نے بھی ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس جشن کا اہتمام یونیسکو (Unesco) نے کیا تھا۔ ان دنوں میرے عزیز دوست جناب پروفیسر خولو دولن یونیسکو میں سائنس شعبے کے صدر تھے۔ وہ بہت مستعد روسی تھے۔ میں ان کے ساتھ اُلم اور میونخ گیا تھا۔

میں نے اسی زمانے میں اُلم میں ایک "روٹیوں کا عجائب گھر" (Bread Museum) دیکھا تھا۔ بہت دل چسپ جگہ تھی، مگر پاکستان کی روٹی چپاتی وہاں نہیں تھی۔ یہ میں نے وہاں مع تصاویر (روٹی کیسے پکاتے ہیں) بھجوادی تھی۔

صحّت اور صحت

تو جناب بات کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں پہنچ گئی۔ میں تم کو بتا یہ رہا تھا کہ صحّت سب سے بڑی نعمت ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ دنیا کے آدھے سے زیادہ لوگ اپنی صحت کی اہمیت اور قدر نہیں جانتے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ صحّت ہے کیا اور صحت کی کیسے اور کیوں حفاظت کرنی چاہیے۔ پاکستان کے بھی ۷۵ فی صد انسان جانتے ہی نہیں کہ صحّت کیا ہے۔ صحّت کی قدروقیمت کیا ہے۔ اس لیے وہ اپنی صحّت کی حفاظت کرنا نہیں جانتے۔

نونہالو! لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ ہماری حکومتوں کی غلطیاں ہیں۔ مثلاً اسکول کی تعلیم میں صحّت کی کوئی تعلیم نہیں ہے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلے وژن نے اپنے فرائض ادا نہیں کیے ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ (انفریشن) نے پاکستان کی عوام کو صحت کے بارے میں فکرمند پایا ہی نہیں ہے۔

عالمی انجمنِ صحّت

اسی لیے ہم نے پیرس (فرانس) میں ایک بین الاقوامی جماعت بنائی۔ اس کا نام انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن (IUHP) رکھا گیا۔ بعد میں ۱۹۹۱ء میں اس کے نام میں ایجوکیشن کا اضافہ کرکے نام (IUHPE) کردیا گیا۔ اس انجمن کے بورڈ اوف ٹرسٹیز کا میں رکن ہوں اور عرصہٗ دراز سے

اس کے ساتھ کام کرتا ہوں۔ ہماری اس انجمن نے دنیا بھر میں نام پیدا کیا ہے۔ اب جاپان میں اس انجمن کا ۱۵ واں اجلاس ہو رہا ہے۔ میں اسی اجلاس میں شرکت کے لیے آیا ہوں۔

نونہالو! یہ انجمن یورپ میں ہے۔ میں نے ہر میٹنگ میں زور دیا کہ اس انجمن کو ایشیا پر توجّہ کرنی چاہیے۔ اب اس کی رکنیت کو عالمی کردیا گیا ہے۔ اس میں افریقہ اور ایشیا کے ممالک بھی آگئے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں فن لینڈ میں جب ۱۴ واں اجلاس ہوا تو میں وہاں گیا تھا۔ میں نے جاپان میں ۱۵ واں اجلاس کرنے کا مشورہ دیا اور جب ووٹ ڈالے گئے تو میں نے جاپان کی تائید کی۔ اراکین کو جاپان کے لیے تیار کیا۔ یہ اجلاس بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس وقت جاپان میں ساری دنیا سے تین سو اور خود جاپان سے سات سو ماہرینِ صحت ماکوہاری (جاپان) میں جمع ہوگئے ہیں۔ بڑی رونق ہے۔ خوب چہل پہل ہے۔ بہت سے تو میرے دوست ہیں۔ ان دوستوں کے ساتھ اب پانچ دن رہوں گا۔

جلسہ مجلسِ امینان

آج ۲۰ ر اگست ۱۹۹۵ء کی صبح ۹ بجے انجمن کے اراکین کا جلسہ ہوا۔ اس میں غور و فکر ہوا اور اب آئندہ پانچ دن ہم سب کو کیا کیا کام کرنے ہیں ان پر غور ہوا۔ اور ذمّہ داریاں سونپی گئیں۔

نونہالو! میرے ذمّہ تین بڑے کام ہوئے ہیں :

۱۔ ۲۰ اراکین کی رکنیت ختم ہوگئی ہے۔ ان کی جگہ انتخابات کے لیے اُمّیدواروں کی چھان بین اور جنرل ہیلتھ اسمبلی میں ووٹ ڈالنے کے انتظامات

والی کمیٹی میں کام کرنا۔

۲۔دنیا کے متعلق اداروں (وہ دل والے جواپنی دولت نیک کاموں پر خرچ کرتے ہیں) کو صحت کے میدان میں کیسے مستعد کیا جائے۔اس کمیٹی میں کام کرنا ہے اور ایک جلسہ کرنا ہے۔

۳۔ایشین ٹریڈیشنل میڈیسن (طبِ ایشیائی) کے جلسے کے انتظامات اور اس میں رہنمائی (لیڈنگ) کرنا۔

جلسہ انتخابات کمیٹی

نونہالو! ہم نے آج ہی گیارہ بجے سے دو بجے تک یہ کام کرلیا ہے۔ بیس نشستیں ہیں۔ ہم نے ستائیس نام چُنے ہیں۔ خیال رکھا ہے کہ دنیا بھر کی نمائندگی ہوجائے۔ اب بیلٹ پیپر تیار کرکے تقسیم کرنے ہیں تاکہ ۲۴ر اگست کو اسمبلی میں ووٹنگ ہوجائے۔ووٹر کوئی بارہ سو ہیں۔

جاپان مہنگا ہے

نونہالو! دنیا میں شاید جاپان سب سے زیادہ گراں (مہنگا) ملک ہے۔ میں نے آج ایک تسبیح کی قیمت پوچھی ۵۹ ڈالر قیمت بتائی۔ ایک ڈالر تیس رُپے کا ہے۔ یہ تسبیح اٹھارہ سو رپے کی ہوئی۔ کھانا بھی بہت گراں ہے۔ میں نے کل رات کو تو کچھ نہیں کھایا۔ ہوٹل کے ریستوراں میں جاتا تو کم از کم چار سو رپے کا کھانا ملتا۔ بھوکا سوگیا۔ صبح سخت بھوک تھی۔ میں تہجد کے وقت تین بجے صبح یہ غور کرتا رہا کہ میرے شہر کراچی میں اس وقت بھی لاکھوں انسان بھوکے سوجاتے ہیں ان پر کیا گزرتی ہوگی۔ نونہالو!میرا دل بے قرار ہوگیا۔ تم بھی غور کرو۔ بہت سے گھروں میں تمھارے جیسے پیارے

نونہال بھوک سے بلک بلک کر سوجاتے ہیں ان کو ایک روٹی میسّر نہیں آتی۔ پھل فروٹ کا نام تو وہ جانتے ہی نہیں۔ نونہالو! تمھارا دل بھی ضرور دکھا ہوگا۔

مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ صبحِ کاذب سے مغرب تک بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ روزے کی ہزار حکمتیں ہیں۔ روزہ صحت کے لیے بھی اچھا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے روزہ میں ایک حکمت یہ رکھی ہے کہ روزہ دار غور کرے اور فکر کرے کہ بھوک پیاس میں کیا حال ہوتا ہے۔ اس وقت ان غریبوں کا دکھ محسوس کرے جن کو کھانا میسّر نہیں ہے۔

مگر ہم مسلمانوں نے روزے کی اس حکمت کو بالکل نظرانداز کردیا ہے۔ ہم افطار اور سحر میں اس قدر انواع و اقسام (قسم قسم) کی چیزیں کھاتے ہیں کہ روزے کی حکمت ہی ختم ہو گئی ہے۔ کھا کھا کر بیمار ہوجاتے ہیں اور دل کی سختی کا حال یہ ہے کہ روزے میں ذرا غور نہیں کرتے کہ لاکھوں انسان ایسے ہیں جو روزہ نمک سے کھولتے ہیں یا پانی پی لیتے ہیں۔ کھانا ان کو ملتا نہیں ہے۔

خاطر تواضع

میری عزیز بیٹی سعدیہ نے چلتے وقت میرے بیگ میں بسکٹ وغیرہ کافی رکھ دیے ہیں۔ سعدیہ کو معلوم ہے کہ میں بچت کروں گا اور بھوکا رہوں گا۔ صبح میں نے بسکٹوں سے سہارا لیا۔ پانی میں بھگو بھگو کر بسکٹ کھالیے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر کانفرنس کے کاموں میں لگ گیا۔

عالمی صحت کانفرنس کا افتتاح
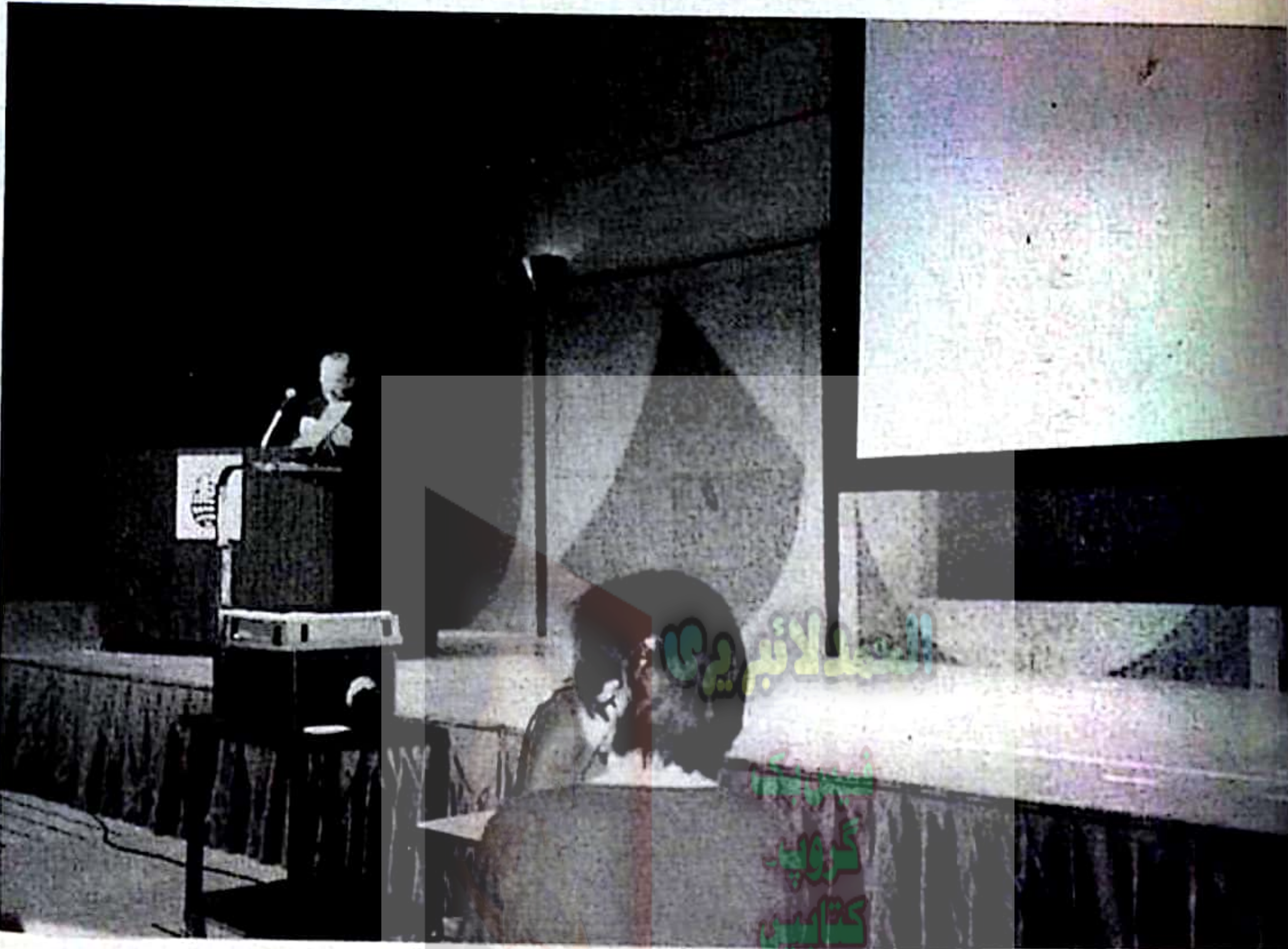
عالمی ادارۂ صحت کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر ہیروشی ناکا جیما جلسۂ افتتاحی میں تقریر کر رہے ہیں

صدر انٹرنیشنل یونین ڈاکٹر متی زجلہ

ایگزیکٹو سکریٹری محترمہ میری کلاڈ لاماری

عالمی صحت کانفرنس کا افتتاح

عالی جناب وزیر صحت جاپان ، عالی جناب گورنر ماکوہاری کانفرنس کے جاپانی منتظم اعلا اور چانسلر یونیورسٹی کی تقاریر

۱۹۸۴ء عالمی صحت کانفرنس ۔ ماکوہاری ۔ جاپان

ڈاکٹر ٹھکاہارا۔ (ٹوکیو یونیورسٹی) حکیم محمد سعید۔ ایک جلسے کی صدارت

کانفرنس ہال کا ایک منظر

سوا بجے میٹنگ سے فراغت پاکر ہال میں آیا۔ یہاں دیکھا کہ جاپان کی ایک جُوس بنانے والی کمپنی نے جُوس کا اسٹال لگا رکھا ہے۔ وہ ہر مندوب کو بلاقیمت آزادی اور فراوانی کے ساتھ جُوس پلا رہی ہے۔ ساتھ ہی ویفرز بھی دے رہی ہے۔ دوسری طرف کولا مشروب کا اسٹال ہے۔ مشروبات کے ٹِن وہ فراوانی کے ساتھ لوگوں کو فری پلا رہے ہیں۔

نونہالو! میں تو بھوک سے بے تاب تھا۔ میں نے دو ویفرز اور ایک گلاس جُوس سے سہارا کرلیا۔ مگر ڈاکٹر بھٹی صاحب نے مجھے ۵-۶ ویفرز اور دیے وہ بھی میں نے ایک گلاس اور جُوس سے نوش جان کرلیے۔ اب سہارا ہوگیا۔

عالمی کانفرنس کا افتتاح

دن کا ڈیڑھ بج گیا۔ ہماری انجمن کے صدر جناب ڈاکٹر متی رَجلَہ (Dr. Matti Rajala) آئے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ سب اراکین کانفرنس ہال میں جلد آگے جاکر بیٹھ جائیں تاکہ اچھی جگہ مل جائے۔ ہم نے ان کے مشورے پر عمل کیا اور اگلی نشستوں میں جاکر جم گئے۔ مگر سب سے اگلی نشست خالی چھوڑ دی۔

نونہالو! یہاں ایک نکتہ غور کرنے کا ہے۔ تم اس کا خیال رکھنا جب بھی تم کسی کانفرنس وغیرہ میں جاؤ کبھی آگے جاکر بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہاں اگر میزبان آگے بٹھادے تو ضرور بیٹھ جاؤ۔ خود کبھی آگے نہ بیٹھنا۔ اس میں عافیت رہی ہے۔

ٹھیک دو بجے کانفرنس کا آغاز ہوگیا۔

مقرّرین

نونہالو! سب سے پہلے کانفرنس کے جاپانی منتظمِ اعلا نے آکر آغاز کانفرنس کا اعلان کیا۔ اجازت دی۔ وزیرِاعظمِ جاپان کا پیغام سنایا گیا۔ پھر ہماری پیرس والی انجمن کی ایگزیکٹو سکریٹری محترمہ میری کلاڈ لامارے (Marie Claude Lamarre) نے ایک رپورٹ پیش کی۔

نونہالو! فن لینڈ میں میری کلاڈ لامارے کے لیے میں نے مجلسِ امنان سے جلسے میں مشورہ دیا تھا کہ ان کو اب عہدہ دینا چاہیے۔ میری رائے منظور ہوئی اور لامارے ایگزیکٹو سکریٹری بن گئیں۔ نہایت مستعد فرانسیسی خاتون ہیں۔ انگریزی میں بھی خوب عبور ہے۔ نوجوان ہیں۔ غیر معمولی صلاحیت کی حامل ہیں۔ میں ان کی بڑی عزّت کرتا ہوں۔ محبّت سے ان کو "اللہ ماری" کہتا ہوں۔ یہ پاکستان بھی آچکی ہیں۔ سوات اور مری وغیرہ گئی تھیں۔ ہمدرد نے سارے انتظامات کیے تھے۔ کراچی میں سعدیہ بیٹی نے ان کی دیکھ بھال کی تھی۔ سعدیہ کی اور لامارے کی خوب دوستی ہو گئی ہے۔ سعدیہ نے لامارے کے لیے ایک تحفہ بھی میرے ہاتھ بھجوایا ہے۔

گورنر ماکوہاریجا صاحب نے تقریر کی۔ وزیرِ صحّت جاپان کا خطاب ہوا اور آخر میں انجمن کے صدر ڈاکٹر متّی رَجَلہ نے صدارتی خطبہ دیا۔ افتتاح کے بعد دو لیکچر ہوئے۔ ایک لیکچر وائس چانسلر ماکوہاری یونی ورسٹی کا ہوا۔ دوسرا میرے دوست جناب محترم ڈاکٹر ہیروشی ناکاجیما (Dr. Hiroshi Nakajima) نے دیا۔ ڈاکٹر ناکاجیما دنیا کی سب سے بڑی صحّت انجمن WHO کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ ان کا مرتبہ و مقام

وزیر اعظم کے برابر ہوتا ہے۔

استقبالیہ

ماکوہاری میسے (کانفرنس سینٹر) میں یہ کام ہو رہے ہیں۔ جاپان کا شاید یہ سب سے بڑا کانفرنس ہال ہے۔ حیرت انگیز عمارت ہے۔ حیرت خیز تعمیر ہے۔ ایک سے ایک کانفرنس ہال اپنی خصوصیت رکھتا ہے۔ متعدد ہال ہیں۔ ۱۲-۱۵ سو کرسیوں کے کئی ہال ہیں۔ چھوٹے ہال تو ۱۵-۲۰ سے زیادہ ہی ہیں۔

میرا خیال تھا کہ کیوٹو کانفرنس ہال سب سے بڑا ہے۔ مگر آج پتہ چلا کہ اب ماکوہاری میسے سب سے بڑا ہے۔ ہاں اس سے بہت بڑا ہال تو میں نے یوگوسلاویہ میں دیکھا تھا۔ وہ یقیناً دنیا کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

استقبالیہ بہت شاندار رہا۔ کوئی ڈیڑھ ہزار عورت مرد تھے۔ شراب اور کباب کا نہایت اعلا انتظام تھا۔ اندازہ ہوا کہ سبزیاں ترکاریاں اور مچھلی وغیرہ بھی ہے۔ ڈاکٹر بھٹی صاحب اور ان کی اہلیہ نے مشورہ دیا کہ یہاں ہی کھالینا چاہیے۔ میں نے بھی یہاں پرونس پر ہاتھ صاف کیا۔ یہ میری بڑی مرغوب سمندری غذا ہے۔ سبزیاں ترکاریاں بھی ہیں۔ بکثرت آبِ سنگترہ ہے۔ میں نے نہایت اطمینان سے اپنے مطلب کی حلال چیزوں سے پیٹ بھرلیا۔ ذرا تکلّف نہ کیا ورنہ رات بھر پیٹ میں چوہے دوڑا کرتے!

آج کے اخبارات

آج کا دن نہایت مصروف گزرا۔ سات بجے اپنے کمرے نمبر ۴۱۲۴ پر آگیا۔ یہ ہوٹل ماکوہاری پرنس کی اکتالیسویں منزل پر ہے۔ کل منزلیں پچاس ہیں!

مجھے انگریزی اخبار روزنامہ یومی یوری (The Daily Yomi Uri) ملا۔ میں نے اسے رات بستر میں لیٹ کر اطمینان سے پڑھا۔ نونہالو! ایک اخبار آسای شمبون جاپانی زبان میں چھپتا ہے۔ بہت بڑا اخبار ہے۔ کوئی ایک کروڑ بیس لاکھ سے زیادہ روزانہ چھپتا ہے۔ غالباً ۱۹۷۵ء میں جب میں ٹوکیو (جاپان) آیا تھا تو اس کے دفتر مدعو کیا گیا تھا۔ انھوں نے ایک صفحے میں میرا انٹرویو چھاپا تھا۔

امریکی پیس میکر

نونہالو! پیس میکر (Pace maker) دل کو سہارا دینے والا ایک آلہ ہے۔ کم زور دلوں کو حرکت جاری رکھنے کے لیے اسے دل کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔ اس کی بیٹری سے دل چلتا رہتا ہے۔ دورانِ خون جاری رہتا ہے۔ اس طرح انسان زندہ رہتا ہے۔

آج ایک خبر یہ ہے کہ ٹوکیو کی ایک طِبّی سامان فروخت کرنے والی کمپنی نے جاپان کی وزارتِ صحّت کو رپورٹ دی ہے کہ امریکا سے پیس میکرز کی جو سپلائی آئی ہے وہ خراب ہے۔ صحیح کام نہیں کررہی ہے۔ تمام کے تمام پیس میکرز خراب ہیں۔ اس خرابی کی وجہ سے پانچ جانیں خطرات سے دوچار ہوئی ہیں۔ جاپان میں اس خبر سے بڑا شور مچ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سامان واپس کردیا جائے گا، مگر نونہال ذرا غور کریں اگر پاکستان میں ایسا ہوتا تو پاکستان کی وزارتِ صحّت خاموشی اختیار کرلیتی، مگر جاپان آزاد ہے۔ یہاں یہ خبر عام ہوگئی ہے۔

اخبار نے اداریہ (ایڈی ٹوریل) لکھا ہے کہ خاطر تواضع کرنے والے بیوروکریٹس ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔ شکایت یہ ہے کہ صوبائی حکومتوں کے اراکین مرکزی بیوروکریٹوں کی تواضع پر کثیر رقوم خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ مرکزی حکومت نے ہدایت جاری کی ہے کہ یہ تواضع کا سلسلہ بند ہونا چاہیے۔ اخبار نے اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ مرکزی حکومت اور ذیلی حکومتوں کی تین بلیون میں سے ۸۰ فی صد رقم یہ بیوروکریٹ ہضم کر جاتے ہیں!

پاکستان کے ایک سابق وزیرِ خزانہ نے علی الاعلان فرمایا تھا کہ پاکستان کے بیوروکریٹوں کے کم از کم ۴۲ ارب رُپے پاکستان سے باہر کے ملکوں میں جمع ہیں۔ خود پاکستان کے بیوروکریٹ بے حد اور بے حساب مراعات حاصل کرتے ہیں اور عوام کا کوئی درد ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

نونہالو! یہ بیوروکریٹ دنیا میں ایک ہی مزاج رکھتا ہے!

کوریا بنک کے صدر کا استعفیٰ

نونہالو! ساؤتھ کوریا سنٹرل بنک کے صدر نے اپنا استعفیٰ اس بِنا پر دے دیا ہے کہ اس کے بنک سے صرف ۱۴۷ ڈالر چوری ہو گئے ہیں۔ صدر نے کہا کہ میری صدارت میں بنک کو یہ نقصان ہوا ہے۔ میں نااہل ہوں۔ الگ ہو رہا ہوں۔

نونہالو! ۱۴۷ ڈالر نہایت حقیر رقم ہے۔ مگر ساؤتھ کوریا میں ایک پیسے کی چوری اور نقصان بھی بڑا جرم ہے۔ ذرا پاکستان کا حال دیکھو کہ یہاں ہر بنک میں فراڈ ہو رہے ہیں۔ ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ مگر آج تک کوئی خبر نہیں آئی

کہ کسی صدر نے استعفیٰ دیا ہو۔

رُوسی چور

روس کے کمپیوٹر کے رازداں امریکا کے سٹی بنک کے کمپیوٹر نظام کے قریب آگئے اور انھوں نے کمپیوٹر میں تبدیلیاں کر کے دس ملیون ڈالر رقم کا ہیر پھیر کردیا اور اس طرح سائنسی چوری کے مجرم قرار پائے۔

نونہالو! ایک دور تھا کہ روس کی ایمان داری مشہور تھی، مگر آج حال یہ ہے کہ روس کی غربت نے روس کو جرائم کا مرکز بناڈالا ہے۔ غربت واقعی بُری ہے!

دو ہزار پانچ سو سال کی عورت خوب سوئی

نونہالو! روسی ماہرین آثارِ قدیمہ کو سائبیریا کے برفانی علاقے میں کُھدائی کے دوران ایک عورت کی لاش ملی ہے جو اب سے کوئی ڈھائی ہزار سال پہلے مری تھی۔ اس عورت کی عمر اپنے مرنے کے وقت ۲۰ سال ہوگی۔ اس کا قد لمبا تھا اور اس کا تعلق غالباً شامن قبیلے سے تھا۔ اس کے جسم پر گُدی ہوئی جانوروں اور انسانوں کی تصویریں اب بھی تازہ ہیں۔ برف کی تہوں میں دبے رہنے سے اس کا جسم محفوظ رہ گیا۔ پانچ سو سال قبلِ مسیح میں جب یہ عورت زندہ ہوگی تو جاپان میں جومون دور ختم ہونے والا ہوگا اور یونان میں کلاسیکی ادب اور آرٹ کا دور شروع ہو رہا ہوگا۔

نونہالو! جنوبی سائبریا کے مشرقی خطّے اور منگولیا کے سرحدی علاقے میں ایسی بہت سی پرانی قبریں ہیں۔ ان کی موجودگی لوگوں کو اپنی طرف متوجّہ

کرتی ہے، مگر سائنسی لحاظ سے ان کی اتنی اہمیّت نہیں ہے کیوں کہ ان میں سے بہت سے قبروں کو لُوٹ کر برباد کردیا گیا ہے۔ روسی ماہرین آثارِقدیمہ نیتالیا کا خیال ہے کہ سائبریا کے التائی علاقے میں برف کی موٹی تہوں کی وجہ سے یہ قبریں قزّاقوں سے محفوظ رہی ہیں۔ جب روسی ماہر آثارِقدیمہ نیتالیا اپنے ماہروں کی ٹیم کو لے کر ہیلی کوپٹر کے ذریعہ سے چینی سرحد کے قریب دوہزار، تین سو میٹر بلند سطح مرتفع پر پہنچی تو چین کے سرحدی محافظوں نے اس سے پوچھ گچھ شروع کردی۔ روسی آثارِقدیمہ کے ماہروں نے جب انھیں بتایا کہ وہ تحقیقی مقصد سے آئے ہیں تو وہ انھیں قبرستان لے گئے۔ وہاں کھدائی کرنے پر دو لاشیں ملیں۔ ایک چالیس سالہ مرد کی تھی اور دوسری ایک عورت کی جس کی عمر تقریباً بیس سال ہوگی۔

وہ عورت جس کے بارے میں خیال ہے کہ وہ شامن قبیلے سے تھی اس وقت دریافت ہوئی جب نیتالیا نے چوتھی بار کھدائی کی۔ اس نے ۱۹۹۳ء میں کھدائی شروع کی تھی۔ برف کی ان موٹی تہوں کی وجہ سے جہاں قزّاق ان لاشوں تک پہنچنے میں ناکام رہے تھے وہاں کھدائی کرنے والی ٹیم کو بھی اسی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ کھدائی کرنے پر ان لوگوں کو درختوں کے لٹّھوں سے بنا ہوا ایک مکان نظر آیا۔ اس پر جمی ہوئی برف کو پگھلانے کے لیے نیتالیا نزدیکی جھیل سے پانی لائی اور اسے گرم کرکے برف پر ڈالا۔

جب برف پگھل گئی تو اس مکان کی چھت پر ایک شخص کا ڈھانچہ پڑا ملا۔ جس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ ملازم رہا ہوگا۔ مکان سے جس عورت کی لاش ملی اس کے ساتھ اس کے استعمال کی چیزیں بھی تھیں جن میں

انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن
بورڈ اوف ٹرسٹیز کی رکنیت کے انتخابات سے قبل نومینیشن کمیٹی کا ایک اجلاس
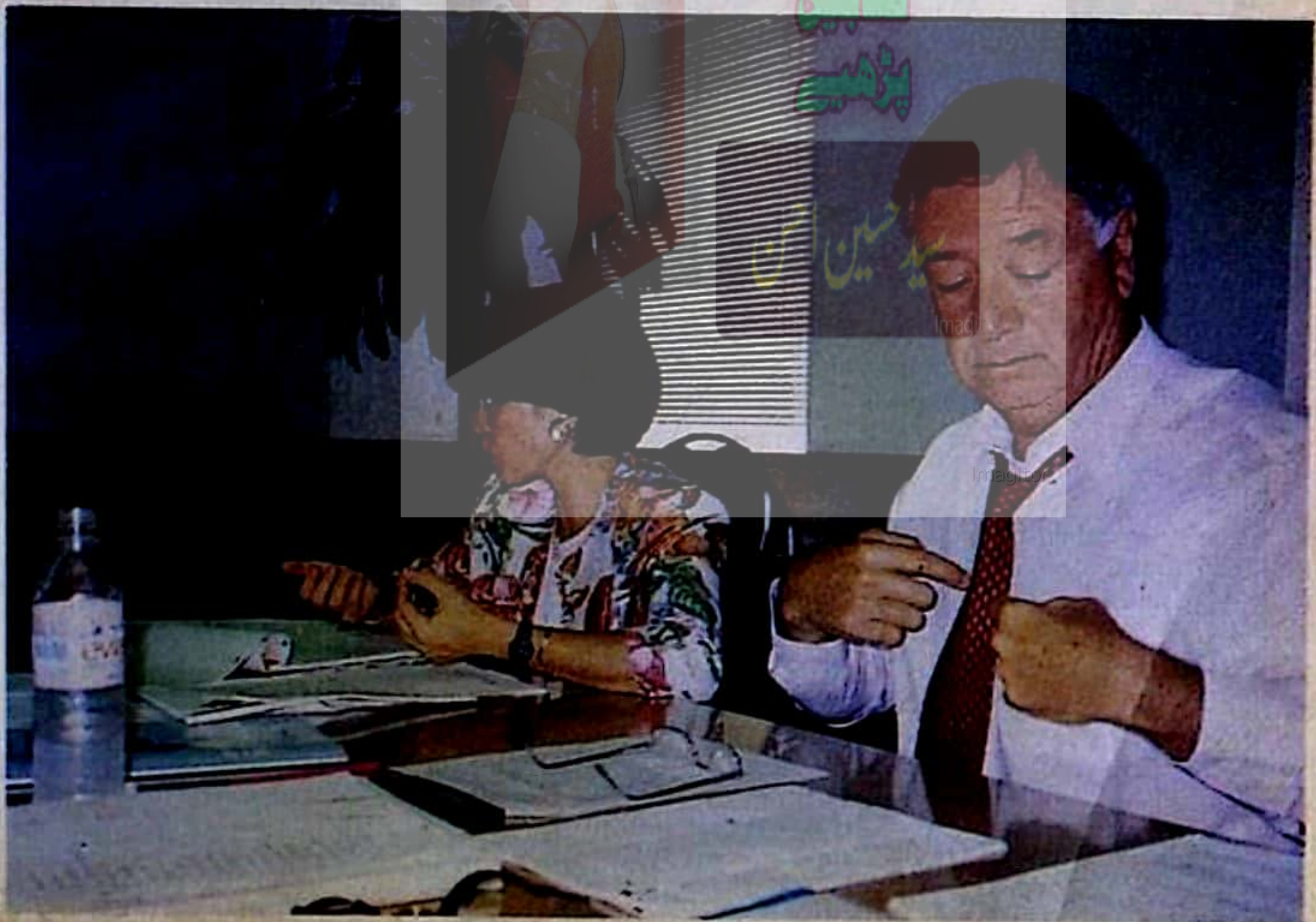
انتخاب اراکین بورڈ اوف ٹرسٹیز

ووٹنگ کے چند مناظر۔ مغرب اور مشرقی دنیا کے مندوبین نے اپنی پوری دیانت داری کے ساتھ ووٹ ڈالے اس عالمی انتخاب میں حکیم محمد سعید نے حصہ لیا۔ مغرب اور مشرق کے ماہرین صحت، ڈاکٹروں اور سائنس دانوں نے ووٹ دے کر کام کر دیا
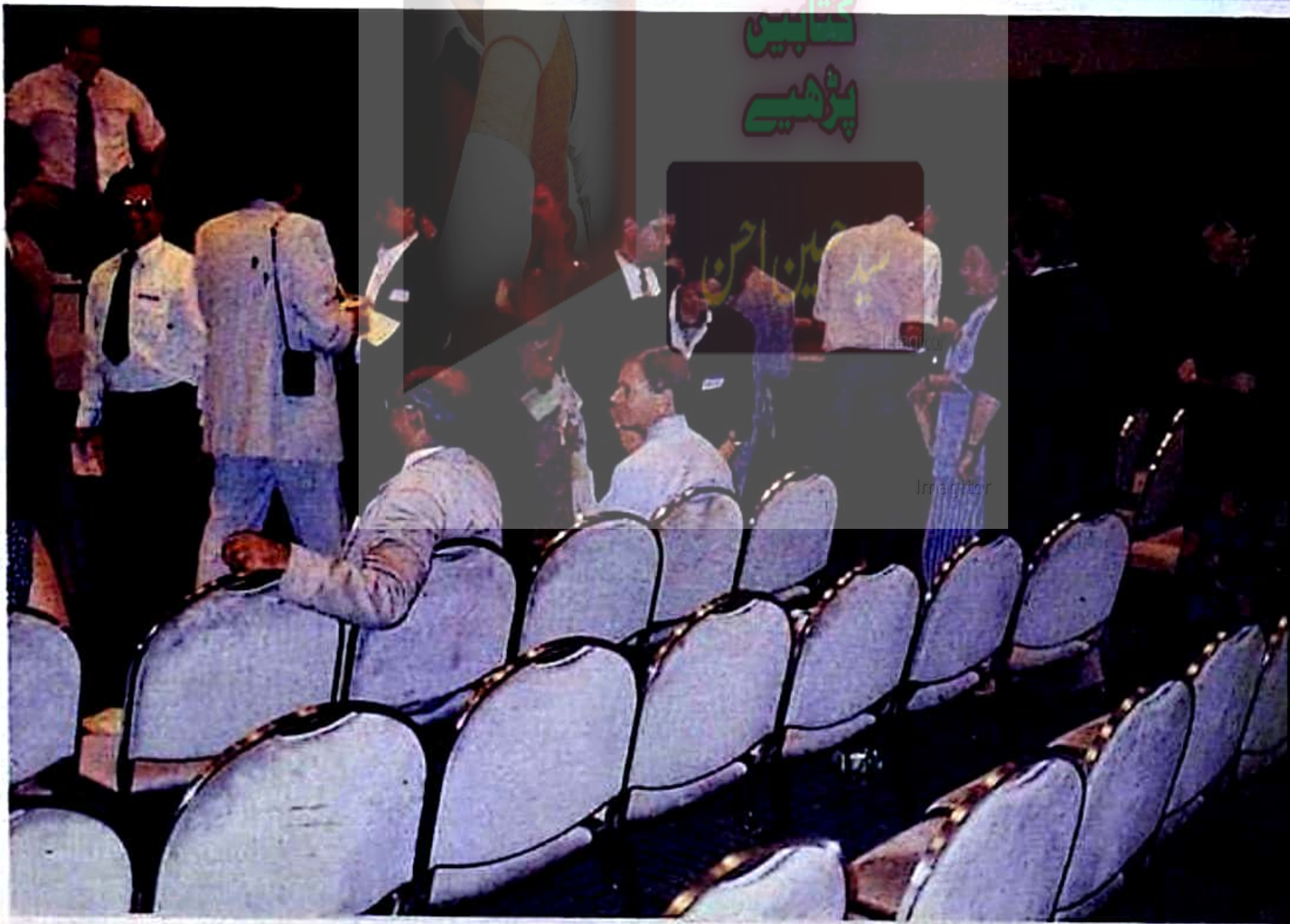
۱۴ ویں عالمی ہیلتھ کانفرنس

انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن (پیرس)، کے زیرِ اہتمام ۱۴ ویں عالمی ہیلتھ کانفرنس سے قبل بورڈ اوف ٹرسٹیز کی میٹنگ کے مناظر
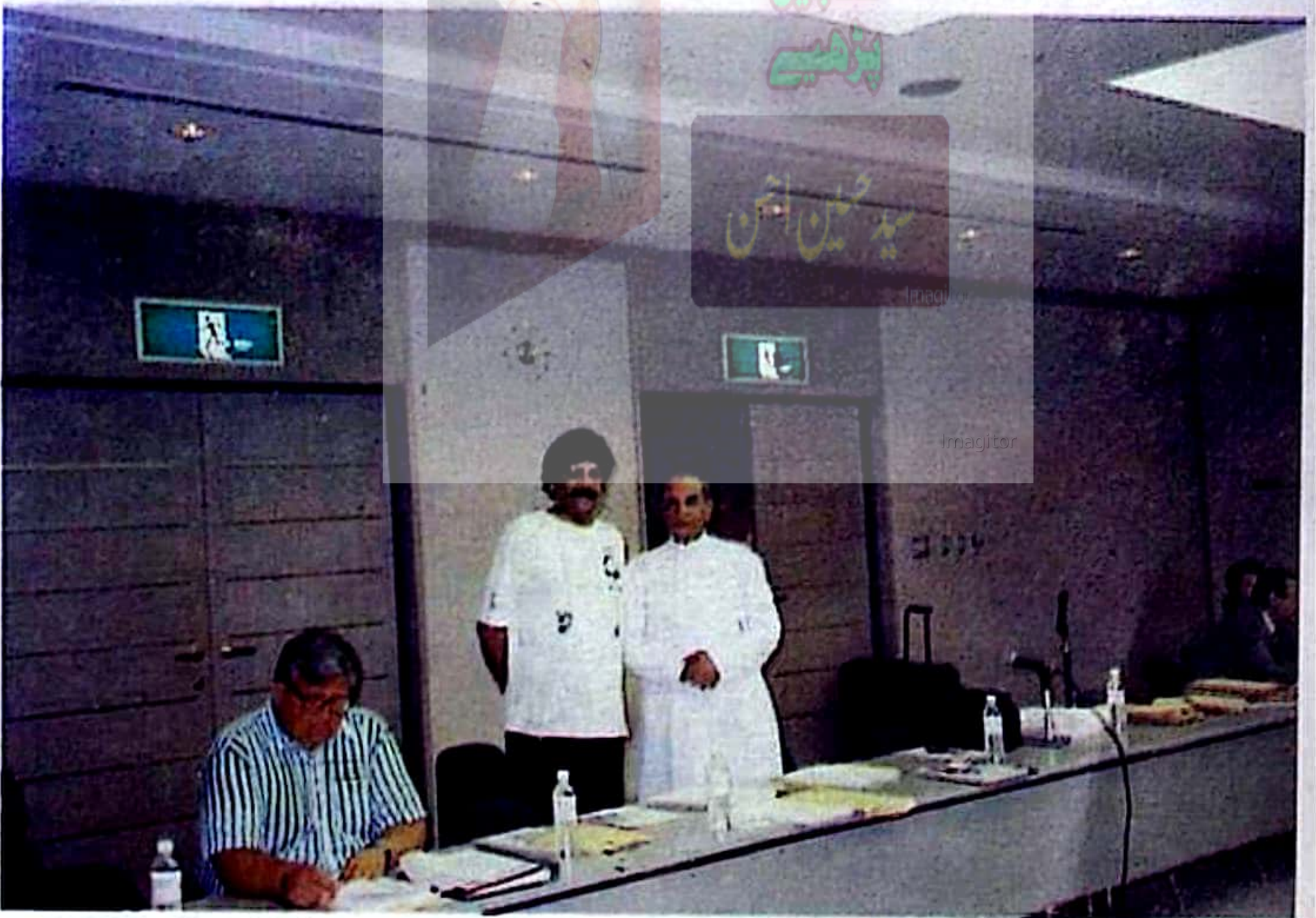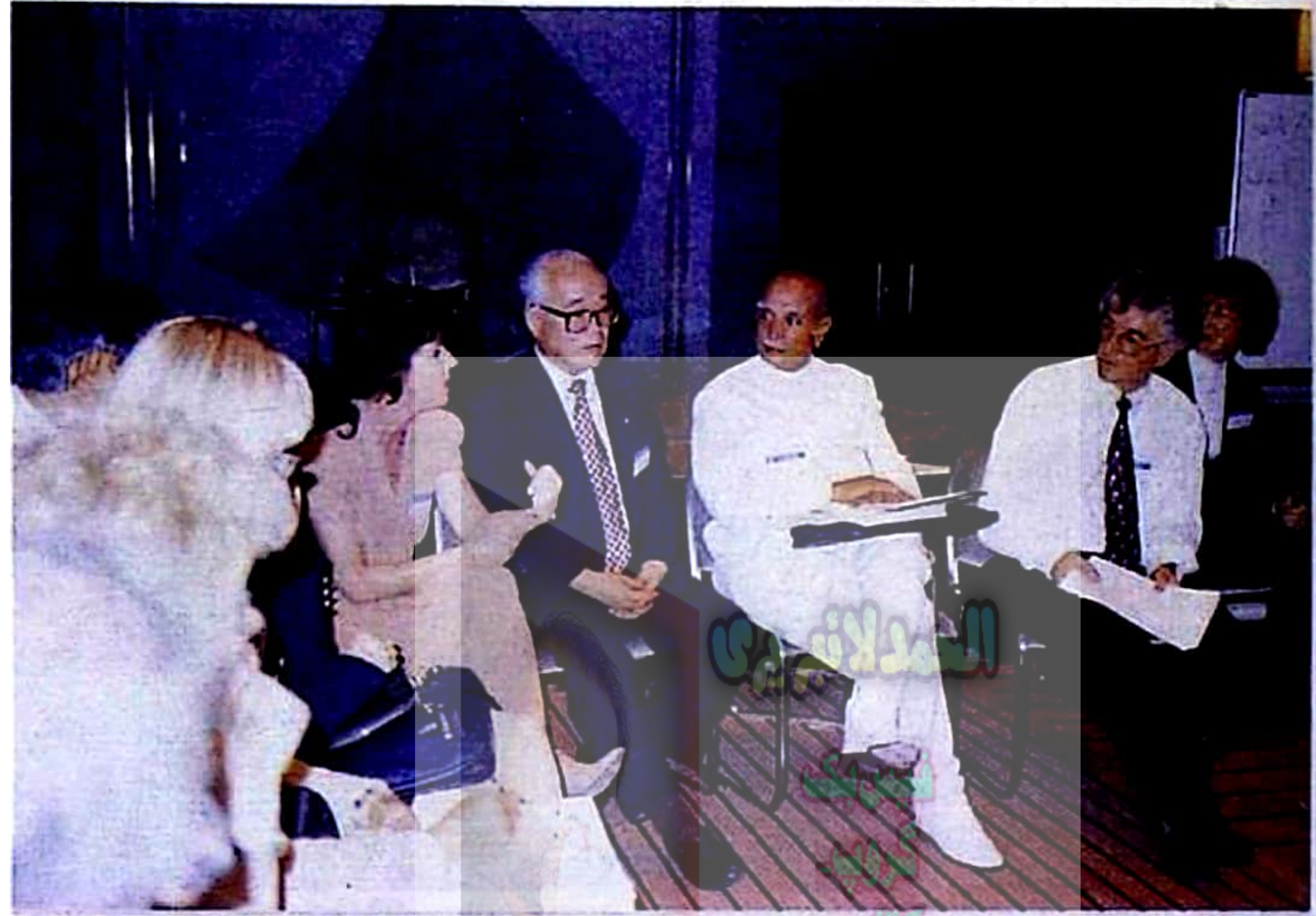
انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن (پیرس) کے لیے عالمی سطح سے تعاون و اشتراک حاصل کرنے کے لیے غور

حکیم محمد سعید کے عالمی دوست جاپان میں

مندوبین مغرب کے ساتھ حکیم محمد سعید

مندوبین جاپان کے ساتھ حکیم محمد سعید

حکیم محمد سعید کے عالمی دوست جاپان میں

حکیم محمد سعید۔ ڈاکٹر ہیروشی ناکاجیما (سربراہ عالمی ادارۂ صحت) اور ڈاکٹر سردار ڈھلون

حکیم محمد سعید۔ ڈاکٹر متی زجلہ (فن لینڈ) صدر آئی۔ یو۔ ایچ۔ پی۔ ای

مندوب ہندستان۔ مندوب نیوزی لینڈ۔ مندوب پاکستان (حکیم محمد سعید) مندوب پوٹوریکو۔

مندوب جاپان۔ حکیم محمد سعید۔ مندوب جاپان

جاپان میں عالمی ۲۴ ویں صحت کانفرنس/اسمبلی کے منتظم اعلا جناب محترم ڈاکٹر ہاتوفوناکادا حکیم محمد سعید ان کے ساتھ
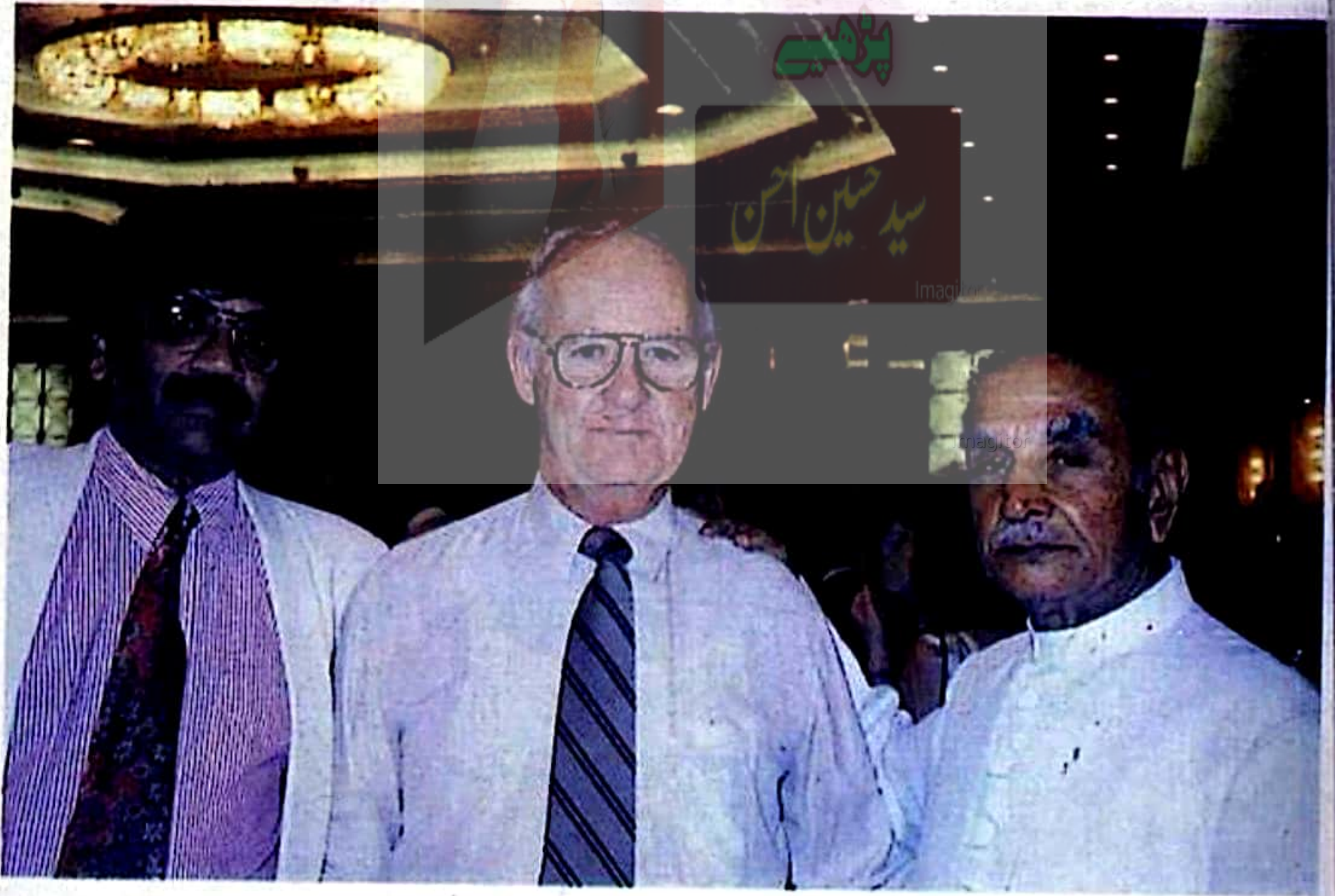
حکیم محمد سعید (پاکستان) ڈاکٹر کولن ملز (اوسٹریلیا) ڈاکٹر قریشی (نیوزی لینڈ)
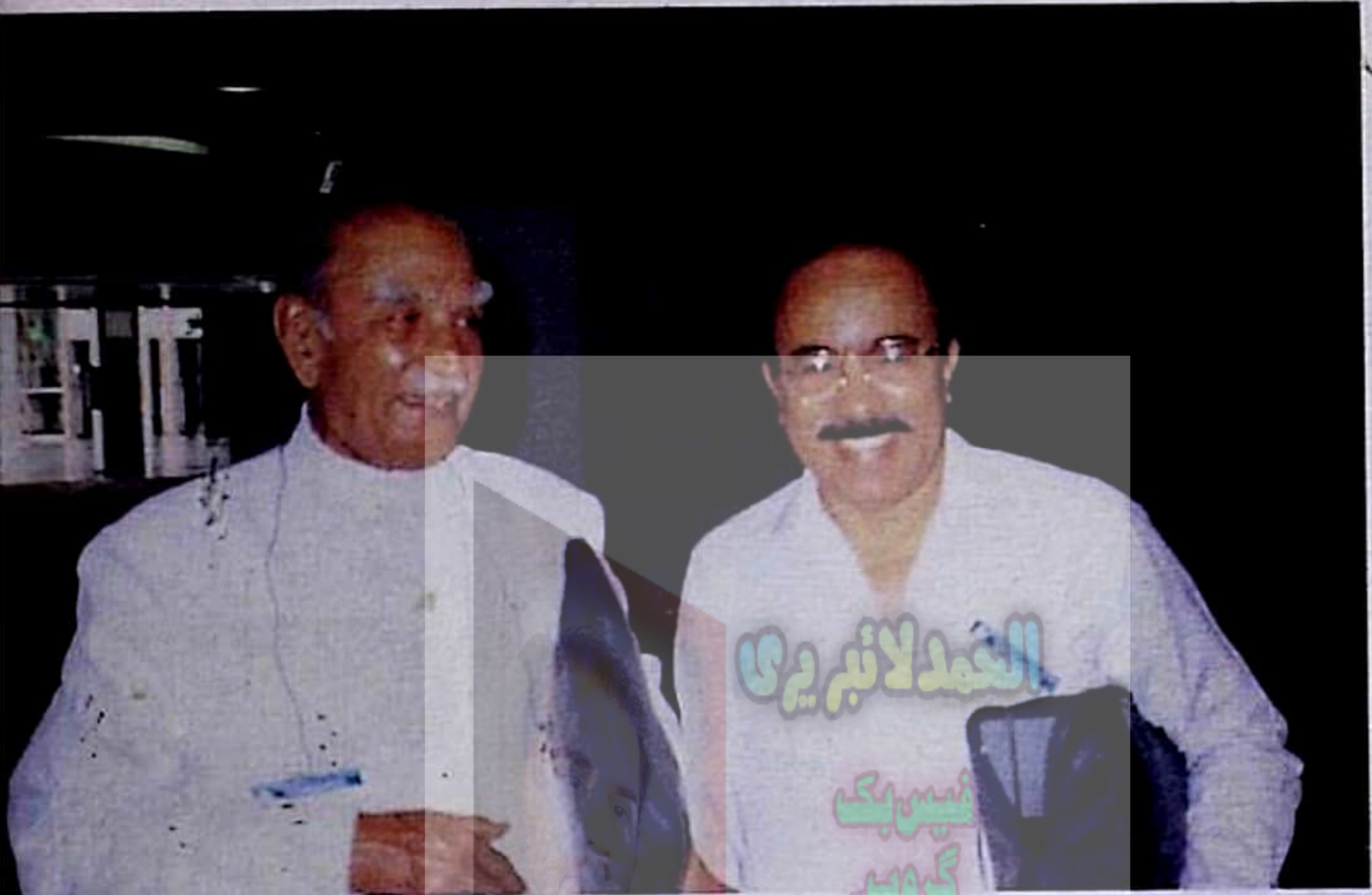
ڈاکٹر مومن (کویت)، حکیم محمد سعید

مندوب انڈونیشیا۔ حکیم محمد سعید

حکیم محمد سعید کے عالمی دوست جاپان میں

مندوب امریکا۔ حکیم محمد سعید۔ مندوب اوسٹریلیا
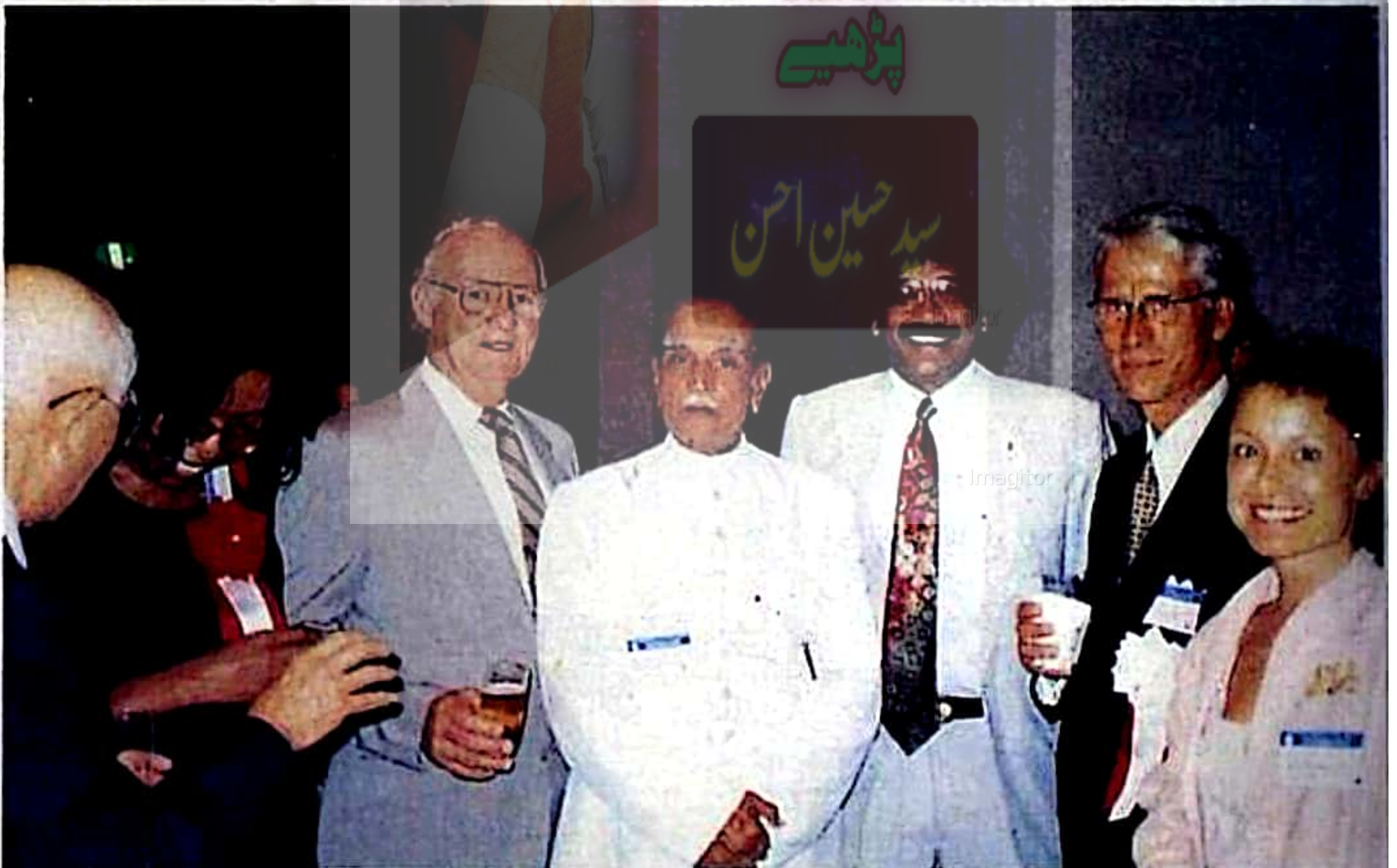
مندوب فرانس۔ مندوب فن لینڈ۔ مندوب نیوزی لینڈ۔ حکیم محمد سعید۔ مندوب اوسٹریلیا

مندوب کوریا۔ مندوب جاپان ۔حکیم محمد سعید۔ مندوب جاپان

مندوب جاپان ۔ حکیم محمد سعید

مندوب روس ۔ حکیم محمد سعید ۔ مندوب بائلو رشیا

حکیم محمد سعید ۔ مندوب فرانس ۔ مندوب نیوزی لینڈ

مندوبینِ کوریا، مندوبینِ چین، جاپان کے ساتھ حکیم محمد سعید
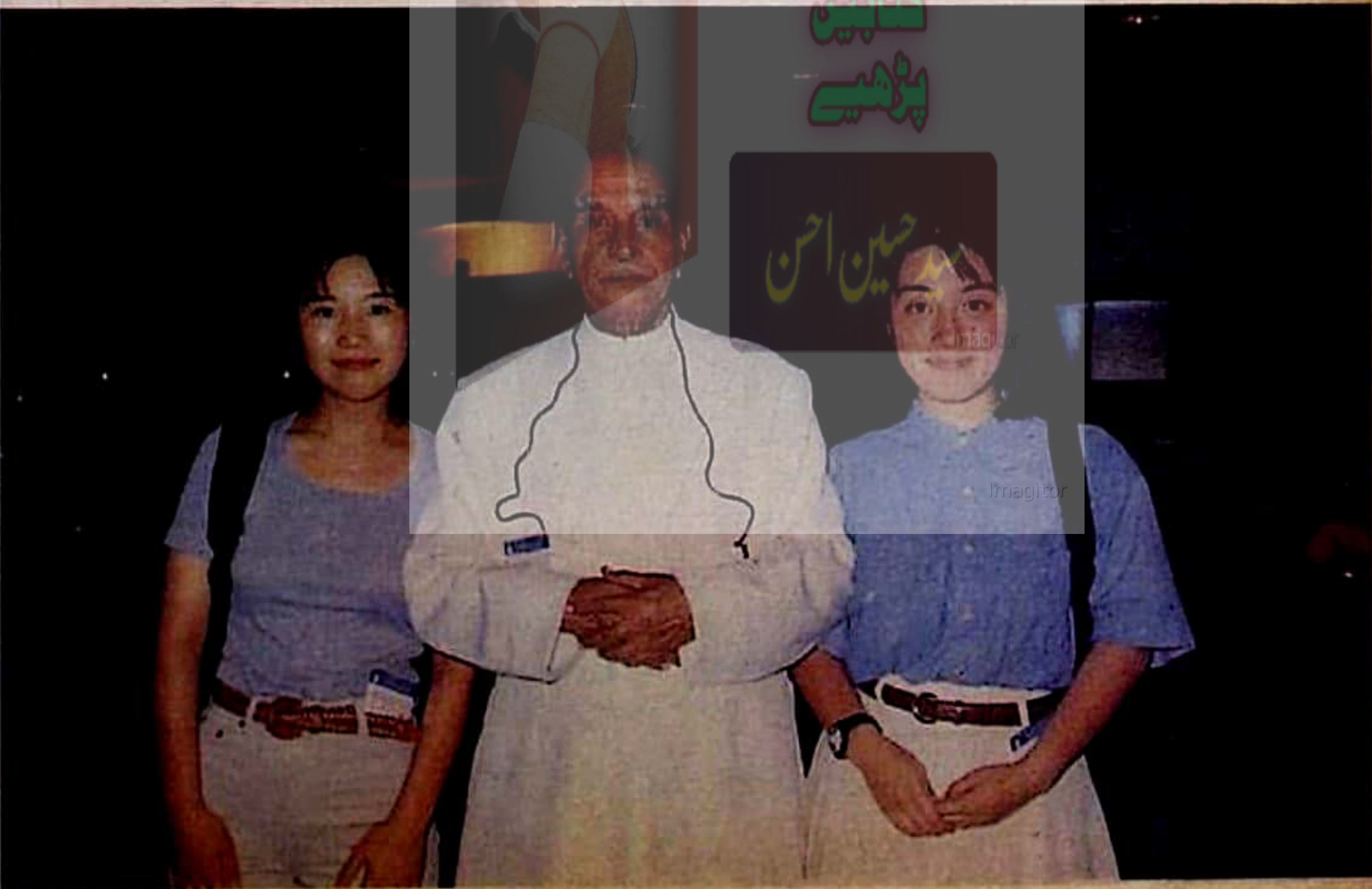
حکیم محمد سعید دُخترانِ جاپان کے ساتھ

لکڑی کی ایک میز شامل ہے۔ میز پر بکری کے گوشت کا ایک ٹکڑا رکھا تھا۔ دوسری میز پر گھوڑے کے گوشت کا ایک ٹکڑا اور کانسی کا چاقو تھا۔ مکان کے دوسرے حصّوں سے لکڑی کی پیالیاں، سینگوں سے بنے ہوئے جگ، لکڑی کا ایک نقشیں برتن اور ایک پلیٹ ملی جس میں جڑی بُوٹیاں رکھی تھیں۔

عورت کی لاش ریشمی کوٹ اور اونی اسکرٹ میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موتیوں کا ایک کڑا اور سر کے گرد لکڑی کا ایک زیور تھا۔

برفانی طوفان کی وجہ سے ماہر آثارِ قدیمہ کی ٹیم کو وہاں تین روز تک رہنا پڑا۔ موسم ٹھیک ہونے پر وہ ٹیم ایک بس کے ذریعہ سے نووسپرسک پہنچی۔ اب وہ لاش ماسکو کے ایک مردہ خانے میں رکھی ہے۔ عورت کی عمر کا اندازہ کچھ عرصہ پہلے لگایا گیا ہے۔ روس کے پاس سائبریا کی اس عورت کو سردخانے میں لمبے عرصے تک رکھنے کے لیے مناسب رقم نہیں ہے۔

دھماکے

نونہالو! دھماکے جاپان میں بھی ہو رہے ہیں۔ آج کے اخبار میں ہے کہ ایک موٹرسائیکل سوار سفید کپڑے اور کالا ہڈ پہنے ہوئے آیا اور ایک سفید وین پر حملہ کرتا ہوا نکل گیا۔ ایک آدمی ہلاک ہوگیا۔ جاپان میں پہلا دھماکا تو ٹرین میں ہوا جس میں دو تین درجن مسافر ہلاک ہوگئے۔ دھماکوں کا یہ سلسلہ عالمی انداز پر ہو رہا ہے۔

کمرہ

میرا کمرہ اس بار میری مرضی کا چھوٹا ہے۔ مگر اس میں اتنے برقی آلات (گیجٹ) لگے ہوئے ہیں کہ میں حیران ہو جاتا ہوں۔ اب تو یہاں کمپیوٹر

کا دور دورہ ہے۔ اس معاملے میں تو جاپانی امریکا سے بہت آگے ہیں۔ کمرے میں ایک اعلان رکھا ملا کہ فلاں وقت روبوٹ صفائی عملہ صفائی کے لیے آئے گا! اکثر غسل خانے میں گرم پانی سے غسل کرتے وقت بھاپیں شیشے پر جمع ہو جاتی ہیں۔ انھیں تولیے سے صاف کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں غسل خانے میں شیشے کا دو ڈھائی فیٹ حصّہ گرم رہتا ہے۔ بھاپ اس پر بنتی ہی نہیں!
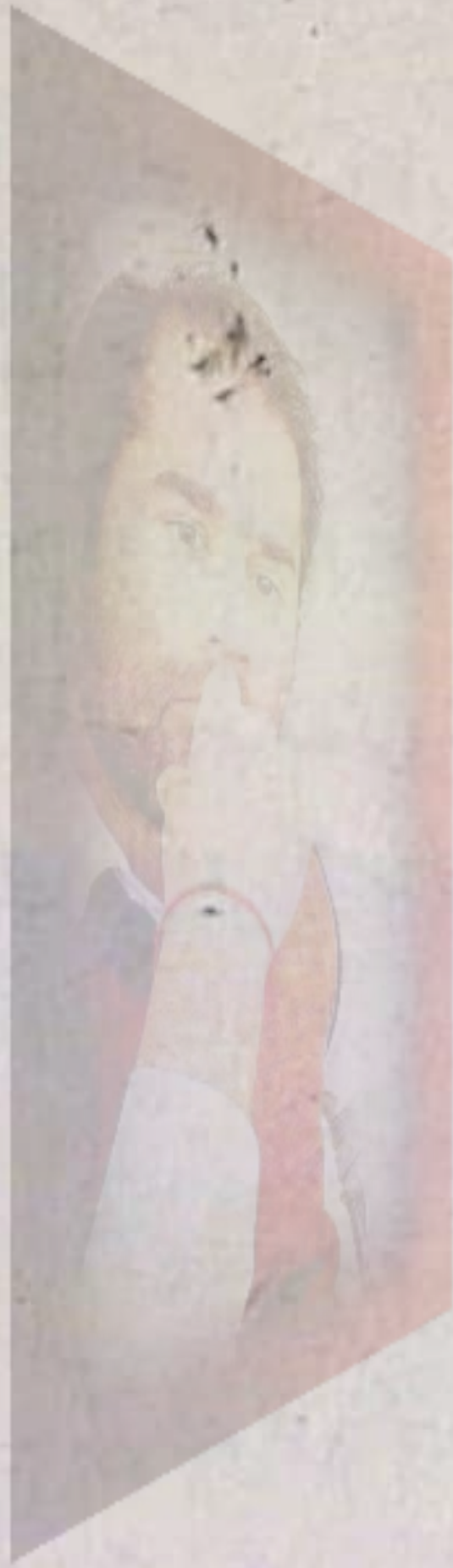
ساتواں باب

نونہالو! جاپان ایک زندہ لوگوں کا ملک ہے۔ زندگی یہ ہے کہ انسان:

☆ اپنے ملک سے محبّت کرے۔

☆ اپنی ثقافت اور اپنی تہذیب کا احترام کرے۔

☆ اپنی زبان سے محبّت کرے۔

جاپان کے لوگ ان تین باتوں میں بہت زندہ ہیں۔ انھوں نے رات دن محنت کر کے اپنے ملک کو آزاد کرلیا ہے اور اب اپنے آزاد ملک میں وہ ہر انسان کی زندگی کو خوش گوار بناتے چلے جارہے ہیں۔ جاپان کے لوگ اپنی ثقافت سے محبّت کرتے ہیں۔ دن کو وہ جدید لباس پہن ضرور لیتے ہیں، لیکن جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو اپنا قدیم لباس پہن لیتے ہیں اور اپنے جاپانی لباس پر فخر کرتے ہیں۔

نونہالو! جاپان کی حکومت اور جاپان کے عوام سب کو اپنی جاپانی زبان سے محبّت ہے۔ جاپان میں تعلیم و تربیّت جاپانی زبان میں دی جاتی ہے۔ ابتدائی (پرائمری) اور ثانوی (سیکنڈری) میں نہایت فخر کے ساتھ جاپان کی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کو اس پر فخر ہے کہ ان کا ذریعۂ تعلیم ان کی اپنی

زبان ہے۔

نونہالو! پاکستان میں حکومت اور بیوروکریٹ اور مغربی تہذیب کے پرستار کہتے ہیں کہ پاکستان میں پرائمری سے انگریزی پڑھانی چاہیے۔ کہتے ہیں کہ دنیا کی زبان انگریزی ہے۔ اس لیے ترقّی کے لیے انگریزی زبان ضروری ہے۔ مگر نونہالو! ذرا غور کرو، جاپان تو سب سے زیادہ ترقّی یافتہ ملک ہے۔ آج برطانیہ تو جاپان کے آگے ہیچ ہے۔ فرانس پیچھے رہ گیا ہے۔ امریکا سائنس میں اب جاپان سے پیچھے ہے۔ جاپان زندہ ہے۔ دنیا کو زندگی دے رہا ہے۔ جاپان کے اسکولوں میں تو انگریزی نہیں پڑھائی جاتی پھر بھی جاپان بڑا ہے۔

نونہالو! بڑائی انگریزی زبان سے نہیں آتی۔ پاکستان میں بھی صحیح تعلیم انگریزی زبان سے نہیں ہوسکتی۔ آج حال یہ ہے کہ پاکستان کے نوجوان نہ انگریزی جانتے ہیں اور نہ اردو۔ ان کا حال خراب ہے۔ چین اور جاپان دونوں نے ثابت کردیا ہے کہ اپنی زبان ہی میں تعلیم دے کر بڑائی مل سکتی ہے۔ ایک مثال ساؤتھ اور نورتھ کوریا کی ہے۔ ساؤتھ کوریا امریکا کے زیرِاثر ہے۔ وہاں تعلیم میں انگریزی زبان آگئی ہے اس لیے پچاس برس سے ساؤتھ کوریا امریکا کا غلام ہے۔ نورتھ کوریا کی زبان کوریائی ہے۔ وہاں پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں کوریائی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اس لیے کوریا کا بچّہ بچّہ آزاد ہے۔ امریکا نے ایک سال سے نورتھ کوریا پر دباؤ ڈالا ہے۔ مگر نورتھ کوریا نے امریکا کی بات ماننے سے انکار کردیا ہے۔

نونہالو! تم نے دیکھا کہ انگریزی زبان میں تعلیم دینے والا ساؤتھ کوریا امریکا کا غلام ہے اور مادری کوریائی زبان میں تعلیم دینے والا نورتھ کوریا آزاد

ہے۔ امریکا کو چیلنج کررہا ہے۔ یہ فرق ہے۔ پاکستان میں جب تک تعلیم قومی مادری زبان میں نہیں دی جائے گی غلامی دور نہیں ہوگی۔ آزادی اپنی زبان کی محبّت سے آتی ہے۔

اب امریکا کی کوشش یہ ہے کہ جاپان اور چین میں اختلاف پیدا کرے۔ رات دن امریکی جاسوس چین اور جاپان میں شرارتیں کررہے ہیں۔ پچھلے ہفتے چین نے زیرِ زمین ایٹمی تجربہ کیا ہے۔ جاپان نے اسے ناپسند کیا ہے اور چین کی امداد بند کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ اختلاف کی بات ہے۔ جاپان اور چین دونوں جانتے ہیں کہ امریکا ان دونوں کا دشمن ہے۔ وہ ان کو اپنے زیرِاثر لانا چاہتا ہے۔اس کے بغیر امریکا دنیا کا بادشاہ نہیں بن سکتا۔ دنیا کا بادشاہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ چین اور جاپان اس کے قابو میں آجائیں۔

ایک نیا مسئلہ

اب جاپان میں ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ غیرملکی جو یہاں آتے ہیں اور بیمار ہوجاتے ہیں تو زبان نہ جاننے کی وجہ سے ان کے علاج میں دِقت ہورہی ہے۔جاپان کا ڈاکٹر تو جاپانی زبان جانتا ہے۔امریکا کا بیمار انگریزی بولتا ہے اب مرض کو کیسے سمجھا جائے۔علاج کیسے کیا جائے!

جاپان شان دار ملک ہے اس لیے سیّاح یہاں زیادہ آنے لگے ہیں۔سیّاح اگر بیمار پڑجائیں تو وہ اپنا حال جاپان کے ڈاکٹر سے بیان نہیں کرسکتے۔ جاپان کی حکومت اس پر غور کررہی ہے کہ کیا کیا جائے۔

یہاں ٹوکیو میں ایک جاپانی کلب بن گیا ہے۔اس کلب میں جاپان کی زبان سکھانے کا انتظام ہوگیا ہے۔ غیرملکی اس کلب سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور

ہاں میں نے دیکھا کہ کوبے یونی ورسٹی میں امریکا جاپان کے تعاون سے ایک سیمنار ہو رہا ہے۔ اس کا موضوع یہ ہے کہ غیر ملکی سیاحوں کے علاج کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے۔ انٹر نیشنل ایکسچینج سنٹر فار میڈیکل ریسرچ نے اس سیمنار کا انتظام کیا ہے۔

جاپانی زندہ قوم ہے۔ وہ اس مسئلے کو حل کریں گے۔

نونہالو! اخبار روزنامہ "یومی یوری" کی ایک خبر کا یہ نہایت دل چسپ عنوان ہے: نفرت ہمیشہ نفرت کرنے والے کو تباہ کرتی ہے نہ کہ اس کو جس سے نفرت کی جائے۔

Hartred destroys the hater not the hated

خبر جنگ عالمی دوم میں جاپان برطانیہ کی لڑائی کی یادگار تقریب کی ہے۔ لندن میں ملکۂ برطانیہ نے اس تقریب سے خود دل چسپی لی ہے اور ان برطانوی سپاہیوں کو یاد کیا ہے جو جاپانیوں کے ہاتھوں جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس تقریب میں ایک ۷۱ سالہ جاپانی بھی شریک تھا جو برطانیہ میں رہ رہا ہے اور شہری کی حیثیت ہے۔ او۔بی۔ای (OBE:Order of Birtish Empire) کا خطاب یافتہ ہے۔ یہ جملہ اس معمّر (بوڑھے) جاپانی نے اپنی تقریر میں کہا ہے۔

نونہالو! یہ قول چودہ سو سال پہلے کا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا ہے۔ ہم مسلمانوں نے اسے بھلا دیا ہے۔ دوسری دنیا نے اس کا مطلب سمجھ لیا ہے۔ ہم مسلمان ایک دوسرے سے نفرت کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں اس لیے نفرت نے ہم مسلمانوں کو تباہ کر دیا ہے!

محبت فاتح عالم

میرے عظیم نونہالو! نفرت کرنا چھوڑ دو۔ ہرگز کسی سے نفرت نہ کرنا' تم ہمیشہ محبّت کرنا۔ محبّت کرنے والا فاتح ہوتا ہے۔ کہاوت ہے: محبّت فاتح عالم۔ تم جتنی محبّت لوگوں سے کروگے دل فتح کرتے چلے جاؤگے۔ بس میری بات ہمیشہ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ تمھارے دل کو ہر کدورت سے پاک صاف کردیں۔

طب۔ طبّ ِمشرقی

نونہالو! میں نے ۱۹۴۰ء میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں طب (عربی/اسلامی) کو سائنس کا درجہ دے کر دم لوں گا۔ مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں" نے ہندُستان میں انگریز سے طب کو تسلیم کرا دیا تھا اور ہندُستان کے وائس رائے سے طبیہ کالج کا سنگِ بنیاد رکھوایا اور مہاتما گاندھی سے افتتاح کرایا تھا۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ ۱۹۲۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ میں نے یہ ٹھان لی کہ اس طب کو دنیا بھر سے تسلیم کراؤں گا۔ ۱۹۴۰ء جب اور اب ۱۹۹۵ء۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں نے دنیا کے طب و صحت کے سب سے بڑے ادارے عالمی ادارۂ صحت WHO سے طب کو تسلیم کرالیا ہے اور دنیا کے ہر ملک میں جا جاکر عالمی کنگرسوں میں تقریریں کیں۔ ایک سو سے زیادہ ملکوں میں۔

اس کے بعد جاپان میں ۱۹۹۰ء صحت و ثبات پر عالمی کانفرنس میں شریک ہوکر طب کا کام کیا اور آج میں نے جاپان میں طبّ ِمشرقی پر ایک سمینار میں زور دار تقریر کی۔ اس وقت یہاں دنیا بھر سے تین سو سے زیادہ

ماہرینِ صحت اور ڈاکٹر جمع ہیں اور کوئی سات سو جاپان کے ماہرین ہیں۔ ان سب کے ہاتھوں میں میرا مقالہ ہے۔ میں نے ایک گھنٹہ سوالات کے جوابات دے کر طب کو ان سب سے تسلیم کرالیا ہے۔ میری تقریر کی خوب داد ملی ہے۔

نونہالو! میں نے تم کو یہ بات اس لیے بتائی ہے کہ تم جان لو کہ انسان کو زندگی کا ایک مقصد بنانا پڑتا ہے۔ تم دیکھو کہ ۱۹۴۰ء میں طبیب بننے کے بعد میں نے اپنا مقصد یہ بنایا کہ میں طب کی سائنسی حیثیت دنیا بھر سے تسلیم کراؤں گا۔ اب ۵۵ سال ہوگئے ہیں۔ دنیا بھر میں طب کے لیے میں نے ۵۵ سال کام کیا ہے اور اپنا مقصد حاصل کرلیا ہے۔

گھر کی مرغی دال برابر

نونہالو! ایک وقت تھا کہ مرغی بہت مہنگی ہوا کرتی تھی۔ کم لوگوں کو کھانے کو ملتی تھی۔ دال سستی تھی، مگر جب مرغی گھر میں ہو اور روز کھانے کو ملے تو اس کی قدر نہیں رہتی۔ اس لیے یہ کہاوت مشہور ہوئی کہ گھر کی مرغی دال برابر۔ پھر کہاوت نے بہت سے معنٰی پہن لیے۔ اب اگر گھر کا کوئی بڑا انسان ہے تو گھر والوں میں اس کی آؤ بھگت کم ہوتی ہے باہر والے زیادہ استقبال کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر بھی کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔ پاکستان میں مَیں بھی گھر کی مرغی دال برابر رہا ہوں!

میں نے طب کے لیے پاکستان میں رہ کر کام کیا۔ اہلِ پاکستان نے میری عزت نہیں کی۔ داد نہیں دی۔ وزارتِ صحت نے مجھے دال برابر سمجھا۔ پاکستان کے حکیموں نے مجھے گھر کی مرغی سمجھا۔ پاکستان کے ڈاکٹروں نے بھی

ایسا ہی سلوک کیا۔ یہاں سائنس دانوں نے مجھے سائنس داں نہیں سمجھا۔ اس لیے میں پاکستان میں گھر کی مرغی دال برابر رہا۔ مگر پاکستان سے باہر دنیا میں کون مجھے نہیں جانتا! دنیا کے دس ہزار سائنس داں آج میرے دوست ہیں۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں مَیں امریکا گیا۔ طبِ اسلامی کانفرنس ہوئی۔ پانچ سو ڈاکٹر اور سائنس داں جمع تھے۔ کلیدی خطبہ (بڑا خطبہ) میرا تھا۔ پاکستان سے باہر ڈاکٹر اور سائنس داں میری اس طرح عزّت کرتے ہیں۔ یہاں جاپان میں ایک ہزار سے زیادہ میرے دوست بنے ہیں۔ میں نے ان سب کے سامنے طب کا آوازہ بلند کر کے اپنا فرض ادا کیا۔ اپنی تقریر سے ان کے دل موہ لیے!

نونہالو! جو کام میں کررہا ہوں یہ کام عربوں کے کرنے کا تھا۔ ان کو آگے بڑھ کر طبِّ عربی/اسلامی کو دنیا بھر سے منوانا چاہیے۔ غیر عربوں کے لیے بھی میں نے یہ خدمت کردی ہے۔ محبّت سے کی۔

نونہالو! پاکستان میں ہر نفرت کا جواب میں نے محبّت سے دیا ہے۔ میری زبان سے کسی ڈاکٹر، کسی حکیم اور کسی سائنس داں کے لیے ایک لفظ بُرائی کا نہیں نکلا ہے۔ میں نے نفرت کرنے والوں سے محبّت کی ہے۔ میں گھاٹے میں نہیں رہا۔ میں نے اس حال میں بھی دوست بنائے ہیں۔ عزّت کی ہے۔ احترام کیا ہے۔

نونہالو! تقریر کا ایک خاص نکتہ

میں چند سال ہوئے ویانا یونی ورسٹی میں تقریر کررہا تھا۔ ویانا اوسٹریا کا دارالحکومت ہے۔ یہ ملک یورپ میں ہے۔ جب جنگِ عظیم دوم ہورہی تھی تو جرمنی کے ڈکٹیٹر ایڈولف ہٹلر نے سب سے پہلے اوسٹریا ہی پر قبضہ کیا تھا۔

خیر، میری تقریر کا موضوع تھا Allah is Healer یعنی ہوالشّافی۔ شفا اللہ ہی دیتا ہے۔ وہاں میں نے یہ نکتہ بیان کیا تھا، اور آج بھی بیان کیا کہ اس دنیا میں کوئی انسان ایسا موجود نہیں ہے جو یہ دعوا کر سکے کہ میں انسان کے جسم کو سمجھتا ہوں۔ انسان کا جسم اور جسم کے اعضا نہایت عظیم اور پیچیدہ ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق ہے۔ خوب صورتی اور حکمت کا مجموعہ ہے۔ اب ذرا دماغ پر غور کرو۔ دماغ میں ذرّات (DNA) بلیون پر بلیون (اربوں کھربوں) ہیں۔ ایک ایک ذرّہ اس قدر باریک ہے کہ برقی خردبین ہی سے نظر آسکتا ہے۔ اس ایک ذرّے میں دس صفحات کی میموری ہوتی ہے، یعنی دس صفحات اس کو یاد ہوتے ہیں۔

ہم حکیم ڈاکٹر جسم انسانی میں جو دوائیں داخل کرتے ہیں ہم ہرگز دعوا نہیں کر سکتے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ دوا کس طرح کہاں کیا اثر کرتی ہے۔ یہ تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔ وہی شفا دیتا ہے۔

یونی سیف

نونہالو! تم جانتے ہو کہ اقوامِ متحدہ کا ایک ادارہ یونی سیف (Unicef) ہے یعنی نونہالوں کے لیے دیکھ بھال کرنے اور فنڈ فراہم کرنے والا ادارہ۔ آج اس کانفرنس میں اس کی پروگرام کی نگراں محترمہ ارما مانون کورٹ (Ms Erma W. Manoncourt) سے ملاقات ہوئی۔ وہ یونی سیف کا پیغام پڑھنے آئی تھیں۔ میں نے ان کو اپنا نام بتایا۔ فوراً جواب دیا: ہاں، میں آپ کو اور ہمدرد کو خوب جانتی ہوں۔ ہمدرد اور آپ یونی سیف کے دوست اور نونہالوں کے رفیق ہیں۔ میں نے ان سے پاکستان کے نونہالوں

کے لیے تبادلِ خیال کیا کہ میں ہمدرد پبلک اسکول میں تعلیمِ صحت شروع کرنا چاہتا ہوں اور کوشاں ہوں کہ پاکستان کے ہر اسکول میں یہ تعلیمِ صحت جاری ہو جائے۔

اسکول ہیلتھ

نونہالو! آج میں نے ۹ بجے سے ایک بجے تک ان جلسوں میں شرکت کی کہ جو اسکول ہیلتھ کے لیے تھے۔ بڑے بڑے ماہرین نے یہ رائے دی کہ اسکولوں کے نونہالوں کو صحت کی باتیں بتانی چاہییں۔ عالمی ادارۂ صحت (WHO) بھی اسکول ہیلتھ کے لیے خاص پروگرام تیار کر چکا ہے۔

نونہالو! میں نے ۲۱ ملکوں کے صحت کے وزیروں کو پچھلے ہفتے خطوط بھجوائے ہیں کہ ان کی رائے کیا ہے اور ان کے ملکوں میں کیا کیا کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ جلد جوابات مل جائیں گے اور میں اب اسکولوں کے لیے کتابِ صحت تیار کروں گا۔

ساؤتھ کوریا امریکا کے زیر اثر ہے۔ وہاں کے ماہرینِ صحت نے آج بتایا کہ کوریا کے کسی اسکول میں ہیلتھ کورس نہیں ہے۔

خیر میں انشاء اللہ پاکستان کے نونہالوں کے لیے نصاب کی کتابیں تیار کروں گا۔

بڑا مزا آیا!

کوریا کے جناب ڈاکٹر این وا نام (Dr. Eun-woa Nam) تقریر کر کے میرے پاس آکر بیٹھے تو میں نے کہا: خم سا حامدہ! انھوں نے میری زبان سے کوریا کی زبان سن کر بڑی حیرت سے مجھے دیکھا۔ خم سا حامدہ کے معنی ہیں:

بہت شکریہ! جلد ہی ان سے دوستی ہوگئی۔ انھوں نے مجھے اپنے مقالے کی نقل اور کوریا کے ڈاک ٹکٹ کا تحفہ دیا۔ یہ ڈاک ٹکٹ اب میں بیت الحکمہ کے ڈاک ٹکٹ میوزیم میں رکھ دوں گا۔

بہت بہت شکریہ

میں نے جناب ڈاکٹر کیوچی سونودا (Dr. Kyochi Sonoda) صاحب کو مبارک باد دی اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے طب کے اس سیشن کے لیے محنت کی اور اسے کام یاب بنایا۔ جاپان کی ہونسٹک میڈیکل سوسائٹی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر کوشیرواوٹسوکا (Dr. Koshiro Otsuka) نے بھی نہایت اچھی تقریر کی۔ ان سے میں نے تبادلِ خیال کیا۔ انھوں نے نہایت محبّت کے ساتھ مجھے اپنی ایک کتاب بھی دی۔ کتاب جاپانی زبان میں ہے۔ موضوع ہے: انسان کا جسم کس طرح راحت پہنچاتا ہے۔ ہونسٹک میڈیسن کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر کازوایکو آٹسومی (Dr. Kazuaiko Atsumi) ایک نہایت قوی الجثّہ (مضبوط جسم کے لمبے تڑنگے) انسان ہیں۔ چہرے پر نہایت خوب صورت سفید داڑھی ہے۔ ٹوکیو کی سوزوکا یونی ورسٹی برائے طب' سائنس و ٹکنالوجی کے صدر ہیں اور ٹوکیو یونی ورسٹی میں پروفیسر ایمریطس ہیں۔ ایمریطس کے معنی یہ کہ ریٹائر ہوکر اعزازی پروفیسر ہیں۔ انھوں نے میری تقریر کے بعد مجھ سے نہایت اچھے سوالات کیے۔ میں نے ان کا احترام کرتے ہوئے ان کی رائے سے اختلاف کیا اور انھوں نے میرا نقطۂ فکر مان لیا۔

ایک گرانڈ ڈاٹر

پروفیسر اوٹسوکا کے ساتھ ان کی ایک نہایت خوب صورت شاگرد تھی۔ بہت ہنس مکھ جاپانی دختر۔ میں نے کہا: تم بالکل میری گرانڈ ڈاٹر ہو یعنی نواسی ہو۔ دخترِ جاپان نے فوراً کہا: میں آپ کی گرانڈ ڈاٹر بننے کو تیار ہوں! میں نے کہا: میں بھی تیار ہوں۔ اب تم پاکستان آنے کی تیاری کرلو!

مدینتہ الحکمہ کے درخت!

آج ایک محترمہ ڈاکٹر کرتیسنی بڑے تپاک سے آکر ملیں۔ میں نے دل میں کہا: یہ بڑی بی کون ہیں؟ مگر میری مشکل انھوں نے دور کردی۔ سوال کیا: میں نے مدینتہ الحکمہ میں جو درخت لگایا تھا وہ کتنا بڑا ہوگیا؟ کیا میری نیم پلیٹ وہاں لگی ہوئی ہے؟ اب یاد آیا یہ محترمہ ہمدرد کی مہمان رہ چکی ہیں۔

نیوزی لینڈ کے ڈاکٹر قریشی صاحب اور ان کی اہلیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں کراچی کے ہیں۔ بڑے زندہ دل ہیں۔ برونائی میں وزارتِ صحت میں کام کرتے رہے ہیں اور اب پاکستان کے حالات سے پریشان ہوکر نیوزی لینڈ میں بس گئے ہیں۔ انھوں نے بھی مدینتہ الحکمہ میں درخت لگایا تھا۔

کرسچین میڈیکل کالج لدھیانہ (انڈیا) کے ڈاکٹر ایس۔ سی۔ گپتا بھی ملے۔ یہ بھی مدینتہ الحکمہ میں درخت لگا چکے ہیں۔ یہ سب میرے مہمان رہ چکے ہیں۔

آج ایک غلطی ہوگئی!

نونہالو! کانفرنس کے پروگرام کی میری کتاب کہیں غلطی سے رہ گئی۔ مجھے اس کی ضرورت تھی۔ میں انفریشن ڈیسک پر گیا۔ وہاں کے لوگ دوسرے لوگوں سے باتیں کررہے تھے۔ میں نے خاصا انتظار کیا۔ آخر میز پر پروگرام کی رکھی ہوئی ایک کاپی میں نے اٹھالی اور اجازت کے بغیر لے کر چل پڑا۔ایک کارکن نے نہایت ادب کے ساتھ کہا کہ "یہ میرے کام کی ہے" میں نے فوراً واپس کردی۔ مگر میں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ میرا دل بیٹھ گیا۔ آج میری واقعی بے عزتی ہوگئی۔ غلطی میری تھی۔ اجازت کے بغیر میں نے کتاب کیوں اٹھائی؟

نونہالو! تم یہ بات یاد رکھنا۔ کسی کی چیز کو بغیر اجازت ہاتھ تک نہ لگانا۔ ورنہ ایسی ہی بے عزتی ہوگی جیسی آج میری ہوئی ہے۔

عرب۔ مسلمان غیر حاضر ہیں

میرے نونہالو! ذرا غور کرو کہ جاپان میں صحت پر یہ عالمی کانفرنس ہے۔ دنیا بھر سے ماہرین یہاں جمع ہیں۔ دنیا کی صحت کا مسئلہ زیرِ فکر و غور ہے۔ ماہرین مل بیٹھ کر غور کررہے ہیں کہ کیسے دنیا کو صحت مند بنائیں۔ مگر اس کانفرنس میں کسی بھی عرب ملک کا کوئی ماہر موجود نہیں ہے۔ مسلم ممالک (ملیشیا) وغیرہ کوئی نہیں ہے۔ چین تو اس لیے نہیں آیا ہے کہ تائیوان کو بلایا گیا ہے۔ مگر عربوں مسلمانوں کو آخر کیا ہوا ہے! بس کویت سے ڈاکٹر مومن ہیں۔ پاکستان سے میں ہوں۔نیوزی لینڈ سے ڈاکٹر قریشی ہیں۔ ہزار بارہ سو ماہرین میں صرف تین مسلمان!

ٹوکیو (جاپان کا دارالحکومت) سے ایک روزنامہ "یومی یوری" جاپانی اور انگریزی زبان میں نکلتا ہے۔ بڑا اخبار ہے۔اس کے سائنس نگار جناب شیگے یوکی کوئڈے (Mr. Shige Yuki Kuide) ٹوکیو سے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میرے لیے ایک خوب صورت تحفہ لے کر آئے ہیں۔ ان کو معلوم ہوگیا کہ میں ماکوہاری میں ہوں اور صحت کانفرنس میں آیا ہوں۔

نونہالو! جناب شیگے یوکی کوئڈے میری دعوت پر پاکستان آچکے ہیں۔ مدینتہ الحکمہ کا مطالعہ کرنے آئے تھے۔ میرے مہمان تھے۔

دو مہمان دوست

نونہالو! ٹھیک ساڑھے چھے بجے میرے کمرے نمبر ۱۴۲۴ کے ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے رسیور اٹھایا۔ جناب محترم محمد رئیس صاحب بات کررہے تھے۔ جناب رئیس صاحب اور ان کے دوست جاپان کی مشہور گوڈری لمیٹڈ کے چیئرمین، جناب محترم میدوری کاوامورا صاحب (Mr Midori Kawa Mura) اوکایاما اور ٹوکیو سے ملاقات کے لیے آئے تھے۔ میں نے ان کو یہی وقت دیا تھا۔ یہ بلٹ ٹرین سے آئے ہیں جو دوسوا دوسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی ہے۔ میں بھی اس میں بارہا بیٹھا ہوں۔ ماؤنٹ فیوجی سے ٹوکیو، ٹوکیو سے اوساکا اسی ٹرین سے آیا تھا۔ ان دونوں حضرات سے تین گھنٹے میں نے تبادلِ خیال کیا۔ آدھی باتیں تجارتی صنعتی اور آدھی خیراتی فلاحی۔ اب طے یہ پایا ہے کہ جناب میدوری کاوا مورا صاحب نومبر میں جب میں اوکایاما سے کراچی جاؤں گا میرے ساتھ پاکستان چلیں گے۔انھوں نے ایک تیل ایجاد کیا ہے۔اس تیل کو پٹرول میں ملادینے

سے بجائے ۲۰ میل فی گیلن کے ۳۰ میل فی گیلن موٹر کار چل سکے گی۔

انڈین ریستوراں

ہوٹل ماکو ہاری پرنس سے ہم پُل ہی پُل پر چلتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔ جہاں ایک انڈین ریستوراں ہے۔ آج رات کھانا یہاں ہی نوش جان کیا۔ یہ جاپان میں میرا پہلا ڈنر ہے۔ مہنگائی کی وجہ سے میں سعدیہ بیٹی کے دیے ہوئے بسکٹوں سے اپنا پیٹ زندہ رہنے کے لیے بھرتا رہا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ میزبانی کروں گا مگر ہوٹل کا بل جناب میدوری صاحب نے اصرار کے ساتھ ادا کردیا ہے۔ اچھا کھانا تھا۔ گوشت تو کھایا نہیں جاسکتا۔ جھینگے کا سالن تھا۔ چنے کی دال تھی۔ نہایت گرم گرم نان تھا۔

پچھلی بار جب میں کوبے آیا تھا تو وہاں جناب محمد رئیس صاحب ملنے آئے تھے انھوں نے کوبے میں انڈین ریستوراں گیلارڈ میں مجھے کھانا کھلایا تھا۔ آج بھی وہ انڈین ریستوراں میں لے گئے۔

جاپان میں انڈین ریستوراں بہت مقبول ہیں۔ آج بھی یہاں جاپانی بکثرت تھے۔ یہاں دیکھا کہ جناب ڈاکٹر کوشی اوتسوکا اور میری نواسی بھی کھانا کھاکر نکل رہے ہیں! اس وقت میرے ساتھ کیمرا تھا۔ میں نے فوٹوگرافی کرلی۔

نونہالانِ جاپان

میں بہت سے نونہالوں سے ملتا رہا ہوں۔ ماکوہاری پرنس ہوٹل میں بکثرت نونہال کھلاڑیوں سے ملتا رہا ہوں۔ آج میں نے نہایت خوب صورت نونہالوں کے ساتھ اپنی تصویریں لی ہیں۔ دل خوش ہوا ہے۔

میری اچکن۔ شیروانی

نونہالو!اس کانفرنس میں میری سفید شیروانی‘سفید لباس دل کشی کا سبب بنا ہوا ہے۔ میرا یہ لباس سب ہی کو پسند ہے۔ وہاٹ این ایلی گینٹ ڈریس! واللہ کیا شان دار لباس ہے! ایک یورپین خاتون نے میری اجازت سے میرے ساتھ کھڑے ہوکر اپنی تصویر کھنچوائی۔ایک جاپانی نے بھی اجازت لے کر تصویر لی ہے میرے ساتھ کھڑے ہوکر۔

نونہالو! اگر میں سوٹ بوٹ ٹائی شائی میں ہوتا تو کوئی جانتا!اب تو ہزار انسانوں میں بھی شیروانی‘سفید لباس کی وجہ سے الگ پہچانا جاتا ہوں۔ مجھے اپنے لباس پر فخر ہے!

گولی مار ریل گاڑی

نونہالو! کوئی دس سال پہلے کی بات ہے کہ میں اور میری بیٹی سعدیہ ٹوکیو سے بلٹ ٹرین میں اوساکا جارہے تھے۔ بلٹ ٹرین(گولی مار ریل گاڑی) تیز تو چل رہی تھی‘ مگر معلوم نہیں ہورہا تھا۔ میں نے ریلوے گارڈ سے پوچھا:میاں ٹرین کی رفتار کوئی چالیس پچاس میل فی گھنٹہ ہوگی؟ جاپانی گارڈ مسکرایا۔ مجھے ساتھ لیا اور اسپیڈ و میٹر کے سامنے لے جاکر کھڑا کردیا۔ ٹرین کی رفتار ۲۲۰ کلومیٹر فی گھنٹہ تھی!

آؤ‘ ذرا قریب آؤ۔ میں تمھیں اس ٹرین کا حال بتاتا ہوں۔

بلٹ ٹرین

نونہالو! جاپان کے ذرائع آمد و رفت بہت اچھے ہیں۔ خاص طور پر اس کی بلٹ ٹرین جو دو سو بیس کلومیٹر کی رفتار سے چلتی ہے۔ یہ محفوظ ہے اور
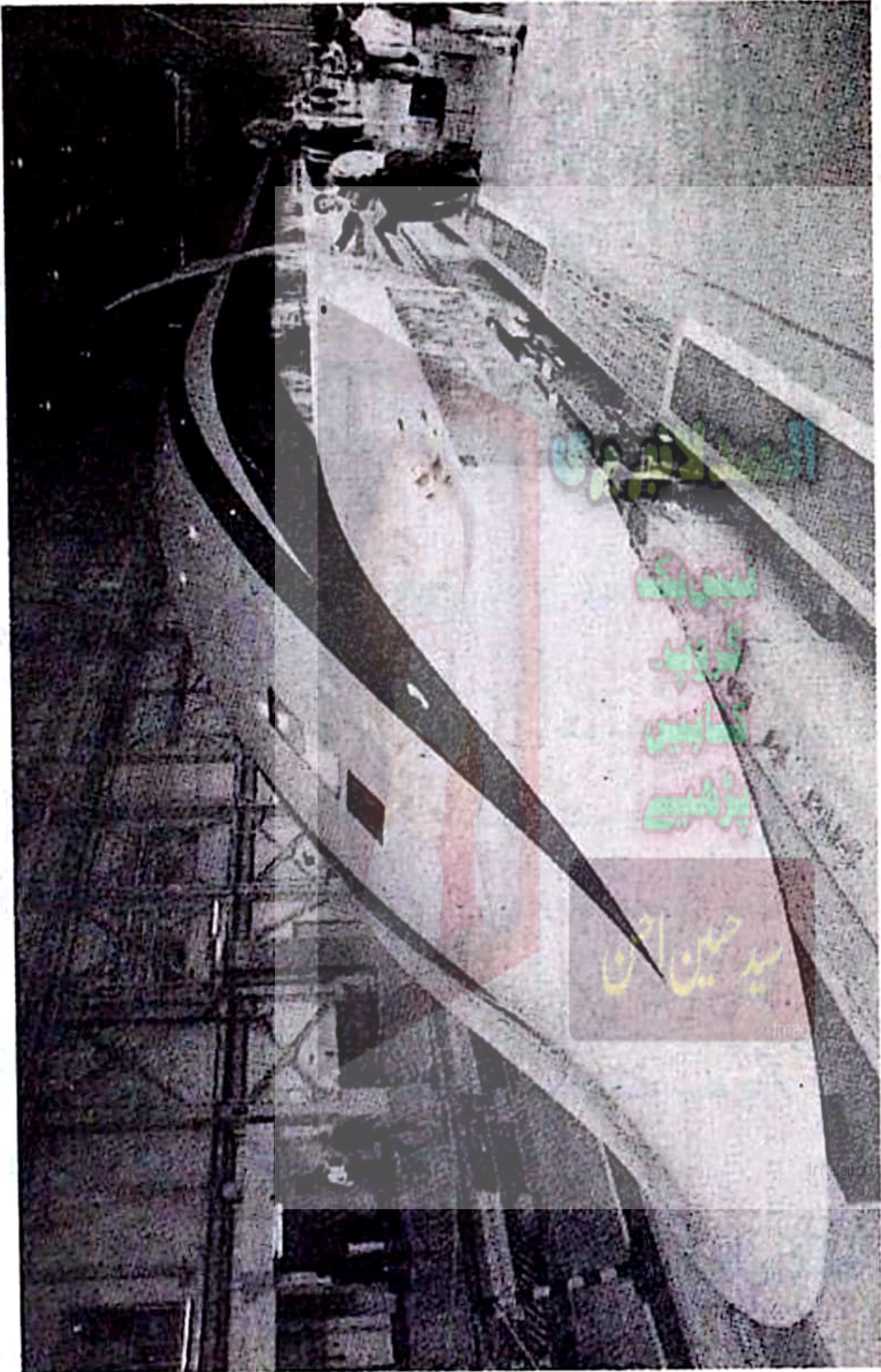
نونمالو' بلٹ ٹرین کے بعد اب جاپان میں ایک نئی ٹرین تیار کی گئی ہے جو پانچ سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے گی۔ یہ ٹرین ایک پٹڑی پر چلے گی اور چلتے وقت مقناطیسی قوت سے پٹڑی سے اٹھ جائے گی۔ ان دنوں اس ٹرین کی ٹوکیو سے سو کلومیٹر دور یاماناشی میں آزمائش کی جا رہی ہے۔

وقت کی پابند ہے۔ ۱۹۶۴ء سے جب سے یہ چلنا شروع ہوئی ہے اس نے اب تک کوئی حادثہ نہیں کیا ہے کہ جس سے کوئی مرا ہو یا زخمی ہوا ہو۔

یہ ٹرین اوساکا سے ٹوکیو کے درمیان چلتی ہے اور ہجوم کے اوقات میں ہر اسٹیشن پر پانچ منٹ کے لیے ٹھیرتی ہے اور اپنی منزل پر نہایت پابندی سے وقت پر پہنچ رہی ہے۔ اس میں ہر روز تین لاکھ مسافر سفر کرتے ہیں۔

نونہالو! الیکٹرون ٹیکنالوجی کے تحت چلائی جانے والی ٹرینوں میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ کارکردگی میں بہترین ہونے کے ساتھ ساتھ پوری طرح سے محفوظ ہوں۔ نئی ٹرینوں کو اے ٹی سی یعنی آٹومیٹک ٹرین کنٹرول اور سی ٹی سی یعنی سینٹرلائزڈ ٹرین کنٹرول کے تحت چلایا جارہا ہے۔ اے ٹی سی ٹرین کی رفتار کو کم یا زیادہ کرتا ہے۔ نارمل حالت میں ٹرین کی رفتار تیز رہتی ہے، مگر جب اسے مڑنا ہوتا ہے تو اس کی رفتار میں کمی آجاتی ہے۔ سی ٹی سی تمام ٹرینوں کو ان کی پوزیشنوں سے آگاہ کرتا رہتا ہے اور یہ ہدایت دیتا رہتا ہے کہ انھیں کب چلنا یا رکنا ہے۔

ٹوکیو اور اوساکا کی طرح بڑے شہروں میں ٹرینوں، بسوں اور زیرِ زمین چلنے والی گاڑیوں کا نظام اتنا پیچیدہ ہے کہ وہاں کے باشندے بھی اسے سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔

آٹھواں باب

کانفرنس۔مقالات

آج ۲۱ ر اگست ہے۔ کانفرنس کے منتظمین نے کانفرنس کا جو پروگرام چھاپا ہے وہ نہایت پیچیدہ ہے۔ صبح میں نے اسے سمجھنے کی کوشش کی، مگر خاک سمجھ میں نہیں آیا۔ جس کانفرنس میں ایک ہزار سے زیادہ ڈیلے گیٹس(مندوبین) ہوں اور ہر ایک کو اپنا مقالہ پڑھنا ہے۔ اب ہزار مقالوں کا انتظام آسان نہیں ہے۔ وہ تو کانفرنس سنٹر بہت بڑا ہے کہ اس میں ایک ہزار آدمی ہوتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہاں چلے گئے۔ میں چاہتا تھا کہ میں آج ان پروگراموں میں حصّہ لوں جہاں میرے مزاج و ضرورت کے مقالات ہوں۔خیر کسی نہ کسی طرح صحیح جگہ پہنچ گیا۔واقعی یہ کانفرنس سنٹر ایک عجوبہ ہے۔پاکستان میں تو کوئی بین الاقوامی کانفرنس سنٹر ہے ہی نہیں کہ میں مقابلہ کروں۔ ہاں دکھ ضرور ہوا ہے کہ پاکستان اس نہایت اشد ضرورت سے محروم ہے۔ میں نے مدینتہ الحکمہ کے لیے ایک مرکز کا نقشہ تیار کر رکھا ہے۔ اس کی تیاری کے لیے کم از کم دس کروڑ رپے درکار ہیں۔ عراق کے کویت پر حملے سے پہلے اصولاً ہزہائی نس امیرِ کویت صاحب محترم نے رقم منظور کرلی

تھی۔ میں نے لی نہیں تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ عراق کا حملہ ہوجائے گا۔ اب حالات ایسے ہیں کہ ہزہائی نس سے رقم مانگتے ہوئے تامّل ہوتا ہے اور اب تو امریکا نے پورے خلیج کے تیل پر قبضہ کرکے سارے مسلم ممالک کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اور سب کو مجبور اور لاچار کردیا ہے۔عرب ممالک اب دل کھول کر مدد نہیں کرسکتے۔ان کو اب اپنی مدد پہلے کرنی ہے اور امریکا کے آہنی پنجوں سے نکلنے کی جدّوجُہد کرنی ہے۔

دنیا بھر میں تعلیمِ صحّت

آج میں نے بہ حیثیت رکن انٹرنیشنل یونین ان گروپوں میں کام شروع کردیا ہے کہ جو نہایت غوروبحث کے بعد ایک منصوبہ بنائیں گے تاکہ دنیا کا ہرملک تعلیمِ صحّت پر توجّہ کرسکے۔

نونہالو! یہ مسئلہ درحقیقت مشرقی ممالک بالخصوص تیسری دنیا کے ممالک کا ہے۔ ان ممالک میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں صحّت کی تعلیم کا کوئی تصوّر موجود نہیں۔ تم نونہالو ذرا غور کرو کہ جب ہم اپنے عظیم نونہالوں کو شروع سے صحّت مند رہنا نہیں سکھائیں گے تو بڑے ہوکر وہ کیسے صحت مند رہنا سیکھیں گے۔ اول تو چار کروڑ سے زیادہ نونہال اسکول جاتے ہی نہیں ہیں۔ نہ اسکول ہیں اور نہ ان کی تعلیم ہے۔ یہ چار کروڑ نونہال مارے مارے پھرتے ہیں۔ نوکریاں کرتے ہیں۔ ظالم امیروں اور شقی القلب(سنگ دل) دولت مندوں کے ہاں نوکریاں کرتے ہیں۔ کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں۔ بھیک مانگتے ہیں۔

ان کے بھیک مانگنے پر ہماری کسی حکومت کو شرم نہیں آتی۔ شرم

آئے کہاں سے۔ ہر حکومت بھیک مانگتی ہے اور بھیک میں آئی ہوئی رقمیں عیش و عشرت کی نذر کردیتی ہے۔ بھیک مانگنے پر کوئی حکومت شرمندہ نہیں ہوتی ہے۔

نونہالو! ہم دراصل بے غیرت ہوگئے ہیں۔ ہماری خودی چلی گئی ہے۔ خود داری جاتی رہی ہے۔ عزتِ نفس کو ہم بھول چکے ہیں۔ اس لیے سخت بے شرم ہوگئے ہیں۔

خیر، میں تمام سہ پہر دنیا کے ماہرین کے ساتھ بیٹھا رہا۔ ان کو مشورے دیتا رہا کہ نہایت غور فکر کرکے اور پوری جاں فشانی کے ساتھ منصوبہ عالمی بنانے میں مدد کریں۔

یہ سلسلہ کل بھی جاری رہے گا۔ توقع ہے کہ کل شام تک ایک منصوبہ تیار ہو ہی جائے گا۔ ہر ملک کا ماہر اس کام پر لگا ہوا ہے۔ میں ان کے ساتھ ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں۔

انسانی جسم کے ماڈلز

نونہالو! میں ۸ ر جولائی کو لندن گیا تھا۔ وہاں میں نے ڈیوک اوف ایڈنبرا جناب محترم پرنس فلپس سے ملاقات کی تھی۔..... میں نوجوانوں کی عظمت کے لیے فاؤنڈیشن کا رکن بن گیا ہوں۔ اس کا حال میں نے کتاب "سعید سیاح لندن میں" لکھا ہے۔ تم یہ کتاب ضرور پڑھنا۔

خیر، میں لندن کے ایک بڑے اسکول میں گیا۔ وہاں میں نے پرائمری اور سیکنڈری کا نصابِ تعلیم دیکھا۔ پرنسپل صاحب سے مشورہ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں نصاب میں انسانی جسم کی تعلیم ضرور ہوتی ہوگی۔ واقعی ہوتی ہے۔

میں نے اس نصابِ تعلیم کے مطابق لندن سے انسانی جسم کے بہت سارے ماڈلز خرید لیے اور ہمدرد پبلک اسکول کے لیے انھیں لے آیا ہوں۔

"اعضاء بولتے ہیں" ایک کتاب بھی میں نے لکھ دی ہے۔ اب یہ کتاب ہمدرد اسکول میں پرائمری اور سیکنڈری میں پڑھائی جائے گی۔ اعضاء کے سب ماڈلز میں پہلے ہی لے آیا ہوں۔

ایک عجیب جملہ سنا

نونہالو! یہ ہفتے کی بات ہے، ۲۰ر اگست کی۔ پروفیسر موموکو چیبا میری بیٹی ہیں۔ وہ ہوائی میدان سے مجھے ہوٹل تک لائیں اور پھر ان سے کوئی تین گھنٹے میں نے باتیں کیں۔ دوران گفت گو محترمہ وزیراعظم پاکستان عالی جناب بے نظیر بھٹو کا ذکر آگیا۔ پروفیسر موموکو نے کہا:

"بے نظیر بہت اچھی ہیں۔ مگر ان کے شوہر اچھے آدمی نہیں ہیں۔"

میں نے ایک جاپانی خاتون پروفیسر کی زبان سے حیرت کے ساتھ سنا۔ ہم پاکستانی تو حقائق اور حالات کو خوب جانتے ہیں، مگر دور جاپان کے لوگوں کو بھی صورتِ حال کا صحیح علم ہے۔ اس سے مجھے حیرت ہوئی ہے۔

میرے جاپانی دوست

نونہالو! جاپان میں بھی میرے بہت دوست ہیں۔ یہاں تو دنیا بھر سے میرے دوست آئے ہوئے جمع ہیں۔ ان سے گھل مل کر باتیں ہوئی ہیں۔ پاکستانی کی بدحالی کا سب کو علم ہے۔ کراچی کے قتل و غارت نے پاکستان کی عزّت کو خاک میں ملادیا ہے۔ یورپ اور امریکا سے آئے ہوئے دوست حیران ہوئے مجھ سے پوچھتے ہیں۔۔۔ڈاکٹر سعید! یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ

ہم دشمنوں کے نرغے میں ہیں۔ یہ وہی دشمن ہے جو امریکا میں دھماکے کر رہا ہے۔ جاپان میں کر رہا ہے۔ برطانیہ میں کر رہا ہے۔ ہم زیادہ نرغے میں ہیں۔ آپ پر اثر فی الحال کم ہے۔ آپ کل کی خیر منائیے۔

نونہالو! یہ بات کہہ کر میں تو اپنا دل ٹھنڈا کر لیتا ہوں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ کراچی میں گزشتہ چند ماہ سے جو ہو رہا ہے وہ نہایت شرم ناک، نہایت دردناک اور نہایت افسوس ناک ہے۔

اقوامِ متّحدہ ذمّہ دار ہے

نونہالو! تم یہ تو ضرور جانتے ہو کہ جنگِ عظیم دوم کے بعد ایک اقوامِ متّحدہ (یونائیٹڈ نیشنز) بنی تھی۔ اس کا سب سے بڑا منشا یہ تھا کہ سب اقوام مل کر دنیا میں اب ایسے حالات پیدا کریں کہ اَمن ہو جائے اور تیسری جنگ نہ ہونے پائے۔ اصولاً یہ طے پایا کہ دنیا کے ملکوں سے اقوامِ متّحدہ میں جو نمائندے آئیں وہ سیاست سے پرہیز کریں۔ یہ بھی طے پایا کہ اقوامِ متّحدہ میں کام کرنے والے سب کارکن (ورکرز) نہایت سنجیدہ و متین ہوں گے۔ سیاسی نہیں ہوں گے۔ ہر ملک اپنا ہر کارکن نہایت نیک، صادق و امین بھیجے تاکہ اقوامِ متّحدہ سیاست سے پاک رہے۔

سب سے بڑی غلطی تو یہ ہوئی ہے کہ اقوامِ متّحدہ کا صدر مقام نیویارک (امریکا) میں قائم ہوا۔ ظاہر ہے کہ امریکا دولت مند تھا اور اس کے عزائم بالکل شروع ہی سے دنیا میں اپنی برتری قائم کرنا تھے۔ اقوامِ متّحدہ کو امریکا نے اپنی برتری کا ذریعہ بنانا شروع کیا۔ امریکا کا یہ اندازِ فکر و عمل شروع سے آخر تک رہا ہے اور اب تو وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گیا ہے

اس لیے اقوامِ متحدہ اس کے زیرِ نگیں ہو گئی ہے۔

کارٹون

ایک کارٹون۔ "اقوامِ متّحدہ کا آج یہ حال ہے۔" جاپان ٹائمز میں شائع ہوا ہے جو نونہالو تم بھی دیکھو۔ اقوامِ متّحدہ کی بے عملی پر کیا اچھا تبصرہ ہے۔

اقوامِ متّحدہ میں تمام کارکنان جو بدل بدل کر نئے آتے ہیں سب کے سب سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ اقوامِ متّحدہ اب آخرکار ایک امریکی ادارہ بن گیا ہے جہاں اب دنیا میں امن و امان قائم کرنے کا کوئی تصوّر باقی نہیں رہا۔

اقوامِ متّحدہ کے نام میرا خط

میں نے کوئی سات آٹھ سال ہوئے اقوامِ متّحدہ کے سکریٹری جنرل کو لکھا کہ اقوامِ متّحدہ کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ تمام ممالک اپنے اپنے ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات، ٹیلے وژن اور ریڈیو سے مار دھاڑ اور قتل و غارت کی خبروں کو بند کردیں۔ یہ اوّلین قدم ہے جو اٹھانا چاہیے۔ میں نے اپنے اس خط کی نقل دنیا کے ایک سو بڑے اخبارات کے ایڈیٹروں کو بھی بھجوائی، مگر اقوامِ متّحدہ نے میری بات نہیں مانی۔ ذرائع ابلاغ پر بداخلاقی کی ہر خبر کو نمایاں کرکے چھاپا گیا اور نشر کیا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ دنیا کا ہر انسان مار دھاڑ کی زد میں ہے۔ دنیا کا آرام اور چین سب کا سب تلپٹ ہوچکا ہے۔

نونہالو! ایک نہایت دردناک چیز یہ ہے کہ دنیا کے تمام ذرائع ابلاغ اس قسم کی خطرناک خبروں کو مشرق میں زیادہ نمایاں کررہے ہیں۔ اب اقوامِ مغرب کی کوشش یہ ہے کہ جنگِ عالم سوم مشرق میں چھڑ جائے۔ امریکا اور یورپ اس کوشش میں کمی نہیں کریں گے۔ انھوں نے ایران عراق کو لڑایا۔ عراق کویت میں جنگ کرائی۔ ابھی نہ جانے کتنی جنگیں ہونی باقی ہیں۔ منشا یہ ہے کہ ان جنگوں سے مشرق کم زور تر ہوجائے اور صدیوں مغرب کی غلامی میں آجائے۔

نونہالو! دردناک عذاب یہ ہے کہ اقوامِ مغرب کی اس شطرنج کا جواب مشرق کے پاس نہیں ہے۔ مشرق کی عقل خراب ہوگئی ہیں۔ خاص کر مسلمانوں کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے جنگ کررہا ہے۔

چین و جاپان

نونہالو! امریکا کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کو اپنے ماتحت کرے۔ وہ ہر طرح کی کوشش کررہا ہے۔ چین اور جاپان دونوں نے امریکا اور یورپ کی اس کوشش کو سمجھ لیا ہے۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب آرہے ہیں۔ شہنشاہ جاپان کا چین آکر تعلقات کو درست کرنا' ماضی کے واقعات پر اظہارِ افسوس کرنا نہایت دانش مندانہ فکر و قدم ہے۔ چین کی کوشش ہے کہ ہندستان سے وہ اپنے تعلقات کو درست کرلے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی ضد کی وجہ سے چین و ہند ایک دوسرے سے دور ہوگئے تھے۔ مگر چین کے صدر ماؤزے تنگ کے نزدیک چین و ہند کا دوست رہنا ہی دونوں کے حق میں ہے۔ اب چین' جاپان اور ہندستان کی دوستی رنگ لاکر رہے گی۔ ایران ہندستان کی طرف مائل ہوچکا ہے۔ خلیج کے ممالک بھی ہندستان اور چین سے روابط قائم کرتے چلے جارہے ہیں۔

روس کا اندازِ فکر یہ ہے کہ وہ بھی اس بلاک میں آجائے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وسط ایشیائی چھے کی چھے مسلم ریاستیں پاکستان سے دور ہوچکی ہیں۔ ان کا رجحان ہندستان کی طرف ہوچکا ہے۔ ان کے ہندستان سے ملاپ پر کوئی طاقت اب ان کو روک نہیں سکتی۔

مسلم بلاک

نونہالو! میری رائے یہ تھی کہ وسط ایشیا کی چھے مسلم ریاستیں پاکستان' ایران' افغانستان اور ترکی یہ دس ممالک ایک مسلم بلاک بن جائیں۔

میں نے وزیرِاعظم پاکستان کو مشورہ دیا تھا کہ تدبّر کا تقاضا یہ ہے کہ اس راہ پر پیش قدمی کی جائے۔ مگر جناب محترم نواز شریف صاحب نے میری بات ٹال دی۔ میرے خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں دہلی کے ہوائی میدان پر جناب پریسلر صاحب نے جواب دیا: "ہم یہ بلاک نہیں بننے دیں گے۔ امریکا اس کی پوری مخالفت کرے گا۔" پریسلر صاحب کا یہ بیان میری ایک تقریر کے جواب میں تھا جو میں نے جسٹس فخرالدین ابراہیم کے زیرِ صدارت ایک جلسے میں کی تھی اور یہ بلاک بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ پاکستان کے کسی صحافی نے میری اس تقریر کا نوٹس نہیں لیا، مگر امریکا نے نوٹس لیا اور پریسلر صاحب سے جواب دلوادیا۔

نونہالو! دردناک بات یہ ہے کہ پریسلر صاحب کے بیان کے بعد پاکستان کی وزارتِ خارجہ نے یہ بیان جاری کیا کہ پاکستان کا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ یہ مسلم بلاک بنایا جائے۔

درحقیقت اس مسلم بلاک سے امریکا سب سے زیادہ خائف رہا ہے۔ ہم خوابِ غفلت میں سوتے رہے اور نہایت معذرت خواہانہ رویّہ اختیار کرکے اور بیان دے کر خاموش ہوگئے، مگر امریکا نے ایسے حالات پیدا کردیے کہ وسط ایشیا کے مسلمان پاکستان سے دور ہوگئے۔ اب وہاں صنعت کار کے لیے ساؤتھ کوریا ہے۔ وہاں اب ہندُستان ہے، مگر پاکستان نہیں ہے۔

وزارتِ خارجہ کو میرا مشورہ

نونہالو! میں نے پاکستان کی وزارتِ خارجہ کو مشورہ دیا تھا کہ وسط ایشیا کی چھے نو آزاد مسلم ریاستوں میں اسلام کا نام فی الحال بالکل نہ لیں۔ میرے

اس خط کے گواہ جناب محترم اکرم ذکی صاحب ہیں جو ان دنوں سکریٹری جنرل وزارتِ خارجہ تھے۔ میرا خیال ہے کہ اکرم ذکی صاحب کو خود میری رائے سے اتفاق نہ تھا۔ اس لیے میری رائے کو انھوں نے داخل دفتر کردیا اور وہی غلطی کی جس سے میں نے منع کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وسط ایشیا اب قطعی طور پر ہندُستان کا دوست بن چکا ہے۔

پاکستان کی خواتین نے کیا کیا!

نونہالو! تم نے ضرور سنا ہوگا کہ پاکستان سے خواتین کے پے درپے وفود وسط ایشیا خیرسگالی دوروں پر گئے۔ ان دوروں کی الم ناک داستان اور دردناک حقیقت یہ ہے کہ ان خواتین نے ان ریاستوں میں ڈالر لے جاکر سارا سونا خریدلیا اوراپنی بیٹیوں کے جہیز کا انتظام کرلیا۔ پاکستان کی ساکھ کو تباہ کردیا۔

ایک سیاست داں نے کیا گُل کھلایا

پاکستان کا ایک وفد گیا۔ یہ پارلیمانی وفد تھا۔ وفد کے ایک نہایت باوقار بزرگ نے کوئی ایک سو جوڑے جوتوں کے خرید لیے اور وہ لے کر پاکستان چلے۔ راستے میں شاید تاشقند کے ہوائی میدان پر ان کا بیگ کُھل گیا۔ سارے جوتے تتر بتر ہوگئے۔ سب کے سب مارے شرم کے ڈوب گئے! یہ ہمارے اراکینِ پارلیمان کا حال ہے۔ نونہالو! یہ وہ کرتوت ہیں کہ وسط ایشیا کی چھے کی چھے ریاستیں اب ذرا بھی پاکستان کی دوست نہیں رہی ہیں۔

نونہالو! میں نہ جانے کیا کیا لکھ گیا۔ یہ باتیں آج تمھاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ مگر تم یہ کتاب سنبھال کر رکھنا۔ نوجوان ہوگے تو میری باتیں

حکیم محمد سعید کی نونہالانِ جاپان سے محبت قابلِ دید ہے۔ وہ ایک معصوم جاپانی نونہال سے باتیں کر رہے ہیں۔ جاپانی نونہالوں کے ساتھ ہیں

یاد کرو گے۔ مجھے یقین ہے میرے عظیم نونہال نوجوان بن کر عظیم تر ہو جائیں گے۔

نونہال۔ نوجوان کھلاڑی

نونہالو! جس ہوٹل میں میں ان دنوں ٹھیرا ہوں اس میں نونہال اور نوجوان کھلاڑیوں کا قبضہ ہے۔ ہر طرف یہی کھلاڑی نظر آتے ہیں۔ ان کو دیکھ دیکھ میرا دل خوش ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے ان کھلاڑیوں کو ہر سہولت ملی ہوئی ہے۔ کل ٹیلے وژن میں دیکھا کہ نوجوان لڑکیوں کا ایک کلب ہے۔ وہ اس کلب میں طرح طرح کی ورزشیں کرتی دکھائی گئیں۔ طرح طرح کے کرتب کررہی ہیں۔ یہ وہی مناظر ہیں کہ جو چین اور کوریا میں، مَیں دیکھ چکا ہوں۔ جاپان میں کھیل کود کے لیے ان دنوں بیداری ہے۔ کھیلوں کے نئے نئے میدان بنتے چلے جارہے ہیں۔ حکومت آج کے نونہالوں اور نوجوانوں کو کل کے طاقت ور جاپان کے لیے پوری توجّہ اور محبّت کے ساتھ تیار کررہی ہے۔ یہ مناسب درجہ بلند فکری ہے۔ جس قوم کو اپنا شان دار مستقبل بنانا ہوتا ہے وہ اپنے نونہالوں اور نوجوانوں سے ایسی ہی محبّت کرتی ہے۔

آج کے جاپان ٹائمز میں ایک خبر چھپی ہے کہ جاپان کے ایک گاؤں کی ۴۵ سالہ خاتون نے لوس اینجلیز (امریکا) میں چار ہزار سات سو کلومیٹر کی دوڑ جیت لی ہے اور پچھلا رکارڈ توڑ دیا ہے۔ یہ دوڑ (ریس) پانچ سو اکیاون گھنٹے اور پینتالیس منٹ میں ختم ہوئی۔ پچھلے رکارڈ سے تیس گھنٹے کم ہیں۔

نونہالو! اب جاپان چین اور کوریا کے مقابلے میں ہے۔ یہ تینوں زرد اقوام (Yellow Nations) ہیں۔ ان کے بارے میں ایک حدیث شریف

ہے کہ زرد اقوام کا عروج ہو گا۔ اس کے بعد مسلمانوں کا دور آئے گا!

ٹونی بزنا

آج کے اخبار میں ایک دو روزہ کانفرنس کا اعلان ہے۔ اس کانفرنس میں بڑا عنوان یہ ہے کہ ——— دماغ کو تربیّت دو۔ ذہن کو تازہ کرو اور سیکھو' یاد کرو اور اپنے خیالات کو اہلیت کے ساتھ دوسروں تک پہنچاؤ ——— یہ کوئی بزنا صاحب مشہور لکھنے والے ہیں۔ ان کی ایک کتاب اسی موضوع پر ایک ملیون (دس لاکھ) فروخت ہوئی ہے۔ ٹوکیو میں ستمبر میں ہونے والی کانفرنس ضرور کام یاب ہو گی۔ اس لیے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا دماغ تازہ ہو' تیز ہو' اس کی یاد داشت زور دار ہو اور وہ اپنی بات دوسروں پر واضح کر سکے۔ بلاشبہ کانفرنس کے لیے یہ ایک انوکھا موضوع ہے!

اسٹیشنری کی نمائش!

نونہالو! تم نے یقیناً کبھی نہیں سنا ہو گا کہ اب اسٹیشنری کی بھی نمائش ہونے لگی ہے! یہ نمائش اور کانفرنس ستمبر ۱۹۹۵ میں ٹوکیو میں ہو گی۔ اس میں کاغذ و قلم' فائل وغیرہ کے علاوہ دفتری کام کی مشینیں وغیرہ رکھی جائیں گی۔ نہایت دل چسپ خبر ہے آج کی۔

نونہالو! مگر اس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔ اب دفتر نئے انداز کے ہو گئے ہیں۔ اب دفتروں میں ٹائپ رائٹر ختم ہو گئے ہیں۔ ان کی جگہ کمپیوٹرز اور پرنٹرز آ گئے ہیں۔ اب فائلنگ سسٹم ختم ہو کر کمپیوٹر کے فائل آ گئے ہیں۔ اب قلم و دوات کا زمانہ ختم ہوا۔ طرح طرح کے قلم آ رہے ہیں۔ ایسے قلم بھی ہیں جو رات کے اندھیرے میں لکھ سکتے ہیں۔ اب سائکلو اسٹائل مشینوں

کی جگہ فوٹو کاپیئر آگئے ہیں۔ غرض اسٹیشنری کی دنیا میں انقلاب آگیا ہے۔ اگر میں ستمبر میں یہاں ہوتا تو ضرور اس نمائش کو دیکھتا۔

عورت کا مستقبل۔ دنیا کا مستقبل
تعلیم زندہ رہنے اور ترقی کے لیے

ٹوکیو میں ان دنوں انٹرنیشنل فیڈریشن اوف یونی ورسٹی کے زیرِ اہتمام یہ عالمی کانفرنس ہو رہی ہے۔ اخبارات میں اس کا بڑا چرچا ہے۔ دنیا نے اب تسلیم کرلیا ہے کہ اگر عورت کو ناخواندہ رکھا جائے گا تو کبھی عظیم نونہال پیدا نہیں ہوں گے۔ بات بالکل سچ ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ نونہالو! اسلام نے مرد اور عورت دونوں پر تعلیم فرض کی ہے۔ مگر عالمِ اسلام نے بہ حیثیت مجموعی عورت کی تعلیم کو نظرانداز کیا ہے۔ مردوں کے لیے دارالعلوم ہیں۔ ذرا بتائیے کہ علمائے کرام نے آج تک عورتوں کے لیے کون سا دارالعلوم قائم کیا ہے؟ کہاں ہے یہ؟

اپنی اس کانفرنس میں خواتین نے کہا ہے :

"امن کا مطلب فقط یہ نہیں ہے کہ جنگ نہ ہو' دہشت گردی نہ ہو' اور باہمی چپقلش نہ ہو بلکہ امن کا مطلب یہ ہے کہ اقتصادی اور معاشی حالات اچھے ہوں اور سماجی انصاف کا دور دورہ ہو تا کہ زندگی کا لطف اٹھایا جاسکے۔ خوش حالی اور انسانی حقوق کا اہتمام ہو' آزادی کا معاشرے میں دور دورہ ہو۔"

جاپان کی سب سے بڑی عمارت

نونہالو! جاپان میں تو اب زمین نایاب ہے اس لیے ہر عمارت اونچی

تعمیر ہوتی ہے۔ جوں جوں حالات آگے بڑھ رہے ہیں عمارتوں کی ضرورت بڑھ رہی ہے۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ طولِ عمر (لونگ لائف۔ مونجی وٹی) جاپان میں ہے جہاں انسان ۶۵ سال زندہ رہتا ہے۔ اس میں جاپان کے عورت اور مرد دونوں شامل ہیں۔ عمر طویل ہوتی جارہی ہے آبادی کی ضرورتیں بڑھ رہی ہیں۔

یوکوہاما "لینڈ مارک پلازا" اس وقت جاپان کی سب سے بلند عمارت ہے۔ اس کی بلندی ۲۹۶ میٹر ہے۔ ستّر منزلیں ہیں۔ اس میں دفاتر ہیں۔ شاپنگ سینٹر ہیں۔ رائل پارک ہوٹل ہے۔ آبزرویٹری ہے۔ ایک آسمانی ہائم (اسکائی گارڈ) ہے۔ بکثرت کانفرنس ہال ہیں۔ آرٹ گیلری ہے۔ اسپورٹس کلب ہیں۔ وغیرہ۔

نونہالو! میں نومبر ۱۹۹۵ء میں یوکوہاما ایک کانفرنس میں آؤں گا تو اسے تفصیل سے دیکھ کر تمہارے لیے حالات تحریر کروں گا۔

نواں باب

میرے پیارے نونہالو! میں یہاں ماکوہاری پرنس ہوٹل میں صبح ناشتہ کررہاہوں۔ لنچ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رات اگر ڈنر ہوٹل میں کھاتاہوں تو بے حد مہنگا ہے۔ بس رات کو میں سعدیہ بیٹی کی عقل مندی سے سوٹ کیس میں رکھے ہوئے بسکٹوں سے سہارا کرلیتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔

صبح کا ناشتہ۔ دستِ خود۔ دہانِ خود

ناشتہ اس ہوٹل میں "بوفے" ہے۔ یعنی دستِ خود دہانِ خود۔ خود کھانا لو خود کھالو اور ایک بات یہ کہ رقم ایک ہی ہے۔ آپ اندر جاکر ایک گلاس دودھ پئیں تو بھی ایک ہزار آٹھ سوئن دینے ہوں گے اور اگر دس گلاس دودھ' دس انڈے' دس ٹوسٹ کھالیں تو بھی ایک ہزار آٹھ سوئن ہی بِل بنے گا! میں یہاں "مورننگ بوفے" (Morning Buffet) سے اطمینان سے بیٹھ کر لطف اندوز ہوتا ہوں۔ نونہالو! بوفے (Buffet) فرانسیسی لفظ ہے۔ اس میں حرف ٹی (T) بولا نہیں جاتا۔

دس گلاس دودھ اور دس انڈوں اور بوفے پر مجھے دوواقعات یاد

آگئے۔ تم کو سناتا ہوں۔

گاماجی کا واقعہ

نونہالو! عالی جناب غلام محمد عرف گاما پاکستان کے ہیرو ہیں۔ دنیا نے گاما سے زیادہ طاقت ور انسان پیدا نہیں کیا ہے۔ ان کی لندن کے دنگل میں جب پولینڈ کے مردِ آہن(لوہے کے انسان) زبسکو سے کشتی ہوئی تو گاماجی نے زبسکو کو ۱۳۔۱۴ فیٹ ہوا میں اس طرح اچھال دیا جیسے زبسکو ایک ہلکی گیند ہو! زبسکو نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا کہ:

"میں نے دنیا کے کوئی ایک ہزار پہلوانوں سے کشتی لڑی ہے۔ مگر بے شک گاما دنیا کا سب سے طاقت ور انسان ہے۔"

نونہالو! تم نے دیکھا کہ دنیا کے سب سے طاقت ور انسان اور پاکستان کے ہیرو کو ہم سب نے بھلا دیا ہے۔ ہمارے نونہال اور ہمارے نوجوان ذرا بھی نہیں جانتے کہ گاماجی اس قدر بڑے انسان تھے۔ یہ غفلت ہے۔ یہ لاپروائی ہے۔

نونہالو! میں گاماجی کے بہت قریب تھا۔ ایک بار گاماجی میرے پاس مطب ہمدرد میں خود تشریف لے آئے۔ اب میں یہ غور کرتا رہ گیا کہ ان کو خمیرہ ہمدرد ۶ گرام لکھوں یا ۶ سیر! نہایت نمازی اور تہجّد گزار۔ گاماجی ہم سب کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ میں اب محترمہ وزیرِ اعظم پاکستان کو لکھوں گا کہ پاکستان کے اس عظیم انسان پر ایک ڈاک ٹکٹ جاری کردیں۔

ہاں، تم کو میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ گاماجی:

☆ صبح ناشتے میں ایک سیر مغز بادام کا حریرہ نوش کرتے تھے اور کوئی

دس سیر دودھ۔

☆غذا میں بس ۷۔۸ سیر گوشت کی یخنی!

اگر گاما جی اس بوفے میں آجاتے تو یہاں کیا ہنگامہ ہوتا!

بھولو کا واقعہ

میں جب بھی گاما جی کے گھر لاہور میں جاتا تو محترمہ بیگم گاما جی فرماتی تھیں: حکیم جی! بھولو کے اولاد نہیں ہوتی۔ بڑا غم ہے۔ بھولو گاما جی کے بھائی رستمِ ہند امام بخش کے بیٹے تھے۔ گاما جی کی بیٹی بھولو صاحب کی اہلیہ تھیں۔ خیر بتانا یہ تھا کہ یہ کوئی ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ کراچی کے ہوٹل انٹرکونٹی نینٹل میں چاندنی لاؤنج میں ۱۵ رُپے کا بوفے ہوتا تھا۔ ایک دن بھولو برادران چاندنی لاؤنج میں پہنچ گئے اور چکن تکّوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ جب یہ برادران ایک سو سے زیادہ تکّے نوش جان کرگئے تو ہوٹل کا بوفے مینجر بھاگا بھاگا آیا کہ آخر یہ تکّے کہاں جارہے ہیں! اس نے دیکھا کہ تکّے بھولو برادران کے پیٹوں میں پہنچ چکے ہیں۔

انھوں نے کہا: مینجر جی! ابھی تو ہم نے تکّے چکھے ہیں۔ آپ تیار کرتے رہیے!

شملہ کا ایک واقعہ

لو بھئی نونہالو! شملہ پہاڑ کا ایک واقعہ ابھی ابھی یاد آگیا۔ ذرا وہ بھی سنو۔ چھوٹا شملہ پرانا شملہ تھا۔ بڑا شملہ نیا شملہ تھا۔ یہ وہاں کی بات ہے۔

نونہالو! حضرت سائلؔ دہلوی حضرت داغؔ کے داماد اور شاگرد تھے۔ داغؔ تو دنیا بھر کے مشہور شاعر ہیں۔ نواب سراج الدین سائلؔ دہلوی بھی

بلند مرتبہ شاعر تھے۔ جناب محترم جمیل الدین عالیؔ ان کے رشتے کے بھتیج ہیں۔ میں چھوٹا تھا۔ نواب سائل صاحب محترم کے ہاں میرا آنا جانا تھا۔ لال دروازہ دہلی میں ان کی حویلی تھی۔ شعراء کی محفلیں یہاں ہی جما کرتی تھیں۔ نواب سائل کے سب سے بڑے بیٹے نواب قطب تھے۔ ہمارے دوست تھے۔ ایک دوپہر ہم یار دوست چھوٹے شملے سے گزر رہے تھے۔ ایک ریستوراں پر بورڈ لگا تھا: چھے آنے میں پیٹ بھر کر کھانا کھائیے۔

نواب قطب نے کہا: آؤ، جی آج کھانا یہاں ہی ہوجائے۔ میں بھی راضی ہوگیا۔ ہم ریستوراں میں گھس گئے۔ دیکھا کہ نان بائی گرم گرم چپاتیاں توے پر ڈال رہا ہے اور لوگ شوق سے کھا رہے ہیں۔

نونہالو! ریستوراں والا تو حیران رہ گیا اور پریشان ہوگیا کہ نواب قطب جیسا دھان پان انسان، جس کا پیٹ بھی پچکا ہوا تھا بس نہیں کر رہا ہے۔ چپاتی پر چپاتی آ رہی ہے اور قطب کے پیٹ میں چلی جا رہی ہے۔ ایک بار تو ریستوراں والے کو شبہ ہوگیا کہ چپاتیاں پیٹ میں جا رہی ہیں یا جیب میں۔ مگر اسے اس وقت یقین آیا کہ جب بھائی قطب صاحب نے ایک چپاتی کے چار ٹکڑے کرے اور چار نوالے کرلیے۔

حساب لگایا۔۔۔ قطب صاحب اکیاون چپاتیاں کھا چکے تھے اور اب یہ غور کر رہے تھے کہ چند چپاتیاں اور نوش جان کریں یا بس کریں۔

نونہالو! دوسرے دن جب ہم چھوٹا شملہ ہم گئے تو ریستوراں والا چھے آنے میں پیٹ بھر کر کھانا کھانے والا بورڈ ہٹا چکا تھا!

چلو، بھئی دیر ہو رہی ہے۔ مجھے تو کانفرنس میں جانا ہے!

پروفیسر ڈاکٹر تکا ہارا

نونہالو! آج کانفرنس کے ایک سیشن کی مجھے صدارت کرنی ہے۔ اب میں چار دنوں میں جاپانی زبان کے زیر زبر تو سمجھنے لگا ہوں، مگر پھر بھی میں نے "رسیور" لے لیا ہے۔ یہاں جاپانی کا فوری ترجمہ انگریزی میں اور انگریزی کا جاپانی میں ساتھ کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ جب جاپانی بولی جاتی ہے تو رسیور کان سے لگالیتا ہوں۔ انگریزی ترجمہ سنتا رہتا ہوں۔ بڑے ہالوں میں فرانسیسی اور اسپینی تراجم بھی ہورہے ہیں۔ پروفیسر تکاہارا صاحب میرے ساتھ نائب چیئرمین (Co-Chairman) ہیں۔ میں نے ان سے نہیں کہا مگر محترمہ فلوری صاحبہ (امریکی خاتون) سے کہا کہ اردو زبان میں تھکا ہارا کے معنی ہیں ٹائرڈ اینڈ ڈیفیٹڈ (Tired and Defeated)۔ فلوری خوب ہنسیں اور جب بہ مشکل ان کی ہنسی ضبط ہوئی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ یہ ترجمہ پروفیسر صاحب کو ہرگز نہ سنانا۔ ایسا نہ ہو کہ ناراض ہوجائیں۔ میرا سیشن ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ موضوع صحّت اور ہسپتال تھا۔ میں نے بھی بحث میں حصّہ لیا۔ پروفیسر تھکا ہارا صاحب نے بھی میری مدد کی۔ مجموعی طور پر خوب وقت گزرا۔ میں نے اپنی تقریر میں ایک خاص نکتہ بیان کیا۔

صحّت کے لیے زیادہ دولت
دولت کے لیے زیادہ صحّت

میں نے کہا کہ ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ دولت صحّت کو خرید نہیں سکتی۔ دنیا کی شاید ہر چیز دولت سے خریدی جاسکتی ہے، مگر صحّت بکاؤ مال نہیں ہے کہ دُکان پر رکھی ہے، گئے اور خرید لیا۔ صحّت اوّلیں چیز ہے۔ صحّت

سے دولت آسکتی ہے مگر دولت سے صحّت نہیں آسکتی۔

نونہالو! میں نے کہا: آج امریکا سب سے زیادہ دولت مند اور طاقت ور ہونے کا دعویدار ہے، مگر امریکا ہرگز زیادہ صحّت مند ہونے کا دعوا نہیں کرسکتا۔ دنیا کا سب سے زیادہ اپاہج کردینے والا مرض "ایڈز" سب سے زیادہ امریکا میں ہے۔ امریکا کے ٹائم میگزین نے لکھا ہے کہ ایک ملیون سے زیادہ پروسٹیٹ گلینڈ کے مریض امریکا میں ہیں۔ دل کے امراض کی کثرت امریکا میں ہے۔

نونہالو! کیا امریکا نے اپنی دولت اور طاقت سے صحّت خریدنے کی جرات کی ہے اور کیا اس کی طاقت نے امراض کے آگے دم نہیں توڑ دیا ہے؟ میں نے حاضرین سے کہا کہ صحّت کے باب میں ہمیں حقائق کی طرف جانا چاہیے۔

ایک بڑی خاص بات

نونہالو! ایک بڑی خاص بات تم کو بتاتا ہوں۔ میں نے اب تک کوئی پچاس پچپن تقریریں جاپانی زبان میں یہاں کانفرنس میں سنی ہیں۔ کسی ایک تقریر میں انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں آیا۔ (بس ایک جاپانی تقریر میں لائف اسٹائل ٭کوالٹی اوف لائف دو لفظ انگریزی کے سنے) اس کی وجہ یہ ہے کہ:

☆ جاپان میں ساری تعلیم جاپانی زبان میں ہوتی ہے۔

☆ جاپان کے لوگ اپنی زبان سے محبّت کرتے ہیں۔

آج جاپان دنیا کا شاید سب سے زیادہ ترقّی یافتہ ملک ہے۔ جاپان نے انگریزی زبان سے ترقّی نہیں کی ہے، اپنی جاپانی زبان سے وہ فرش سے عرش پر

پہنچ گیا ہے۔

نونہالو! ہمارے تمھارے پاکستان میں کیا ہورہا ہے؟ آؤ تم کو بتاتاہوں :

☆ قائداعظم نے فرمایا تھا' علی الاعلان کہا تھا:پاکستان کی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔

Urdu and Urdu alone!

☆ دستورِ پاکستان کی رُو سے اب ہمیں سرکاری زبان اردو کرلینی چاہیے تھی۔

☆ پاکستان کی تمام تعلیم کو اردو زبان میں ہوجانا چاہیے تھا۔

☆ پاکستان میں اردو زبان پر فخر کرنا چاہیے تھا۔

☆ پاکستان میں اردو یونی ورسٹیاں قائم ہونی چاہیے تھیں۔

مگر آج پاکستان میں کیا ہورہا ہے کہ حکومت پاکستان کے نونہالوں کو پہلی جماعت سے انگریزی تعلیم دینا چاہتی ہے۔ یہ ایک بدترین اور ظالمانہ فکر ہے۔ یہ ایک نہایت مضر فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ غلامی کا فیصلہ ہے۔ آزاد قوم ایسے نامعقول فیصلے نہیں کیا کرتی۔ پاکستان میں ہم نے امریکا کی غلامی قبول کرلی ہے۔ پاکستان میں ہم نے برطانیہ کو اپنا رہنما بنالیا ہے۔ ایسا صرف غلام ذہن ہی کرسکتا ہے۔ ایسا غلام ذہن جسے پاکستان سے کوئی محبت نہیں ہے۔ ایسا غلام ذہن جسے اپنی تہذیب و تمدّن اور اپنی ثقافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا غلام ذہن جو تعمیرِ وطن کے اعلا اور مقدّس تصوّر سے خالی ہے۔اس کے لیے بیوروکریٹوں کو کچھ کہنا بے کار ہے۔ جب حکمراں ہی غلامی کا چولا پہن چکے

ہیں۔

انتخابات: الیکشن

نونہالو! ۱۹۷۱ء میں جب پارلیمان پاکستان کے انتخابات ہو رہے تھے تو عالی مرتبت جناب ذوالفقار علی بھٹّو صاحب کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ حکیم محمّد سعید کو کراچی سے کھڑا کیا جائے۔ میں نے صاف انکار کیا۔ ایک دن پہلے مجھے حکومت کے اس عندیے اور فیصلے کا علم ہوگیا تھا۔ میں اور جناب مسرّت حسین زبیری اور جناب محمد احمد زبیری صاحب (ایڈیٹر بزنس رکارڈر) ایک ساتھ بیٹھے۔ بہت غور کیا اور پھر اتفاقِ رائے سے میں نے معذرت کا تار محترم جناب ذوالفقار علی بھٹّو صاحب کو دے دیا اور جناب مولانا کوثر نیازی صاحب اور جناب محترم رفیع رضا صاحب سے براہ راست بات کر کے ان کو بتادیا کہ میں ہرگز اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس کے باوجود میرا نام اخبارات میں دے دیا گیا اور میں اس طرح سیاست کے لیبل سے داغ دار کردیا گیا۔

کراچی سے آٹھ مہاجر لیے گئے اور تین سندھی۔ انتخابات کے نتائج جب سامنے آئے تو آٹھوں مہاجر ہار گئے تھے اور تینوں سندھی زبردستی جتادیے گئے تھے۔

یہ ایک راز تھا۔ اس وقت کے سندھ کے وزیرِ اعلا جناب محترم غلام مصطفٰی جتوئی صاحب خوب جانتے ہیں!

یہ دردناک بات آج اس لیے یاد آگئی کہ آج انٹرنیشنل یونین کے بورڈ آف ٹرسٹیز کا انتخاب ہورہا ہے۔ میں نے پرسوں نومی نیشن کمیٹی (جو ناموں کو چنتی ہے) میں کام کیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر چاہا کہ میرا

نام نہ لکھا جائے۔ میں اب ۱۲۔۱۴ سال خدمت کرنے کے بعد رٹائر ہونا چاہتاہوں مگر کمیٹی نے میرا نام شریک کردیا۔

اب نومی نیشن کمیٹی کے فیصلے کے مطابق نشستیں بیس ہیں، اُمیّدوار ستائیس ہیں۔ دو بجے انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن کی جنرل اسمبلی ہوئی۔ اس میں ساری دنیا کے ملکوں کے نمائندے ہیں۔امریکا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، کنیڈا، اوسٹریلیا، مڈل ایسٹ(شرقِ اوسط) انڈونیشیا، ہالینڈ، روس، انڈیا، نیپال، کوریا، چین، جاپان، ناروے، پورٹوریکو، نیوزی لینڈ، اسپین، تھائی لینڈ، فلی پینز، کویت، پاکستان وغیرہ وغیرہ۔ نونہالو! یہ سب کے سب ماہرینِ صحت ہیں۔ دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹر ہیں۔ عورتیں ہیں، مرد ہیں۔جنرل اسمبلی میں بہت سے مسائل سامنے آئے اور طے ہوئے۔ آخر میں انتخابات کا سخت مرحلہ آیا۔میں خاصا فکرمند تھا۔ یہ فکر نہیں تھی کہ ہار جاؤں گا فکر یہ تھی کہ پاکستان کی توہین ہوجائے گی۔ اگر میں ہار گیا تو پاکستان بدنام ہوگا۔ ووٹر سب دنیا کے لوگ تھے۔ پاکستان کا بس ایک ووٹ تھا اور وہ میرا تھا اور ہمدرد فاؤنڈیشن کا تھا۔ اب کیا ہوگا۔

دھکڑ پکڑ

نونہالو! بیلٹ پیپر تو میں لے چکا تھا۔ سب ہی لے چکے تھے۔ اب بیلٹ بوکس لاکر رکھے گئے۔ نگرانی شروع ہوگئی۔ لوگوں نے اب ووٹ ڈالنے شروع کردیے۔ میں واقعی آج پریشان تھا۔ میرا ہارنا پاکستان کا ہارنا بار بار ذہن میں آرہا تھا!

ووٹنگ ہوگئی۔ ووٹنگ ختم ہوئی تو وہیں کے وہیں کاؤنٹنگ بھی فوراً

شروع ہوگئی۔ کمپیوٹروں نے کام شروع کردیا۔ دنیا کے پانچ سو سے زیادہ ماہرین اور میں بے چارا پاکستان کا حکیم محمد سعید!

آخرکار گنتی ختم ہوئی۔ نائب صدر جناب پروفیسر لباڈی کی نگرانی میں نتائج تیار ہوئے۔ اب پروفیسر لباڈی صاحب نے انتخاب کے نتائج کا اعلان شروع کردیا۔ میرا دل واقعی دھڑک رہا تھا۔

آخر پریشانی کا لمحہ ختم ہوا۔ دنیا کے پانچ سو سے زیادہ ماہرین نے میرے حق میں ووٹ ڈالے اور پروفیسر لباڈی صاحب نے اعلان کردیا کہ پاکستان کے حکیم محمد سعید انتخاب جیت گئے ہیں!

نونہالو! تم کو مبارک ہو! تمام دنیا کے ماہرین نے تمھارے دوست پر اعتماد کیا اور ووٹ دیے! واقعہ یہ ہے کہ عالم ہی عالم کی قدر کرسکتا ہے۔ میرے لیے یہ ایک بڑا اعزاز ہے کہ دنیا کے لوگوں نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور مجھے اپنا نمائندہ بنایا ہے۔

سچ بات یہ ہے کہ یہ اعزاز میرے دل کے لیے اطمینان کا عنوان بنا ہے۔ سب ہی لوگوں نے مبارک بادیاں دیں۔ میں نے جاپانیوں کی طرح آدھا جھک جھک کر شکریہ ادا کیا۔ آخرکار کمر میں درد ہوگیا!

نونہالو! زندہ باد!

نیوزی لینڈ ریڈیو

نونہالو! میرے دوست ڈاکٹر قریشی اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر ریحانہ دونوں اپنے بال بچوں سمیت نیوزی لینڈ میں آباد ہوگئے ہیں۔ ان کا دل اب پاکستان واپس جانے کو نہیں چاہتا۔ ان دونوں کا تعلق ریڈیو نیوزی لینڈ سے بھی

ہے اور وہاں اردو ہندی پروگرام ان محترمہ ریحانہ کے ذمہ ہے۔ آج ڈاکٹر قریشی اور ان کی اہلیہ سازوسامان لے کر میرے کمرے میں آگئے اور انھوں نے ایک گھنٹے سے زیادہ میرا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ہم اسے چار بار میں براڈ کاسٹ کریں گے اس لیے آپ سے سارے حالات لے کر رکارڈ کرلیے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی یہ ایک اچھا انٹرویو ہوگیا ہے!

ڈنر: عشائیہ

میں نے بسکٹوں کا جائزہ لیا۔ کل رات تک کے لیے کافی ہیں۔ آج میں نے پنیر کے ساتھ نمکین بسکٹ کھائے۔ پورٹو ریکو کی محترمہ نے میرے بیگ میں وہاں کی مٹھائی دوپہر کو ڈال دی تھی۔ میں نے ان کے ساتھ پورٹو ریکو کا ہیٹ پہن کر فوٹو کھنچوایا تھا۔ ان کی دی ہوئی مٹھائی کی لوزات آدھی کھالی ہیں۔ آدھی کل رات کے لیے رکھ لی ہیں۔ ہاں شام کو محترمہ کے پاس گیا تھا۔ مبارک باد دی تھی۔ ان کا ملک جیت گیا ہے۔ ہماری ۲۹ ویں کانفرنس اب پورٹو ریکو میں ہوگی۔

پورٹو ریکو

نونہالو! تمھیں یہ بھی بتادوں کہ یہ پورٹو ریکو کہاں ہیں۔ یہ کریبیئن میں ایک جزیرہ ہے۔ پیورٹو ریکو کولمبس نے ۱۴۹۳ء میں دریافت کیا تھا۔ چار سو سال تک یہ جزیرہ اسپین کے قبضے میں رہا۔ پھر اسپین اور امریکا کے درمیان جنگ کے خاتمے پر پیرس میں ایک معاہدے کے تحت نومبر ۱۸۹۸ء میں اس پر امریکا کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۹۵۰ء میں پیورٹو ریکو کو امریکی آئین کے تحت اپنا الگ

دستور بنانے کی اجازت دے دی گئی۔

پیورٹوریکو میں انگریزی اور ہسپانوی دونوں سرکاری زبانیں ہیں۔ اسکولوں میں دونوں زبانیں پڑھائی جاتی ہیں، لیکن کاربار میں زیادہ تر انگریزی استعمال ہوتی ہے۔

امریکا کی پچاس ریاستوں کی طرح پورٹو ریکو کی حکومت بھی تین حصوں پر مشتمل ہے — انتظامیہ، قانون ساز ادارہ اور عدلیہ۔ یہاں کی آبادی ۳۶ لاکھ ہے۔ دارالحکومت سان یو آن کی آبادی دس لاکھ ہے۔ یہ جزیرہ امریکا کے شہر میامی، فلوریڈا سے ایک ہزار میل جنوب مشرق میں واقع ہے اور بحری اور ہوائی راستوں سے منسلک ہے۔ پیورٹوریکو کی لمبائی سو میل اور چوڑائی ۳۵ میل ہے۔

یہاں کا موسم خوش گوار ہے۔ شمالی ساحل اور پہاڑیوں پر خوب بارش ہوتی ہے۔ جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ علاقہ نسبتاً خشک رہتا ہے۔

پیورٹو ریکو کی چالیس فی صد آمدنی صنعتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ سیاحت بھی جزیرے کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے۔ یہاں کی صنعتوں میں کام کرنے والے لوگ بہت تعلیم یافتہ ہیں۔ جزیرے کے ساٹھ فی صد نوجوان کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں پڑھتے ہیں۔ جزیرے کے ۲۷ فی صد باشندوں کے اپنے ذاتی مکان ہیں جو صنعتی ملکوں میں ایک رِکارڈ ہے۔

سیاحت کو یہاں ایک صنعت کا درجہ حاصل ہے۔ ہر سال چالیس لاکھ آدمی سیاحت کے لیے پیورٹو ریکو آتے ہیں۔ اس لیے پورے جزیرے میں ساحلی تفریح گاہوں اور ہوٹلوں کی بہتات ہے۔ جزیرے کا دارالحکومت سان

یو آن ایک ایسی بندرگاہ ہے جہاں سیاحی جہازوں کی آمد و رفت دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ جزیرے میں ۸ ہزار میل لمبی شاہراہوں کا جال بچھا ہے۔

پیورٹو ریکو یونی ورسٹی میں پچاس ہزار طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تدریسی عملے کی یعنی طلبا کے استادوں کی تعداد تین ہزار ہے اور کوئی سات ہزار دوسرے ملازمین ہیں۔اس یونی ورسٹی کا ایک اہم شعبہ طبّی علوم (Medical Sciences) کا ہے۔ اس کے کیمپس میں یونی ورسٹی ہسپتال اور پیورٹو ریکو میڈیکل سینٹر کی دوسری عمارتیں ہیں۔

فوٹوگرافی

آج میں نے بھی فوٹوگرافی کی ہے اور جاپان کی طب کی طالبات نے بھی میرے ساتھ اپنے فوٹو کھینچے ہیں۔ خواتین کو میرا لباس زیادہ پسند آیا ہے۔اسی لیے میں آج کل نہایت صاف ستھری شیروانیاں پہن رہا ہوں۔ تصویر میں داغ نہ آجائے۔

اور ہاں خوشبو بھی لگاتا ہوں!

انسانی جسم کے ماڈلز

آج کوکین کمپنی لمیٹڈ (Koken Co Ltd) کے مینیجر جناب سی کوہ یوشیوکو صاحب (Seikoh Yoshioka) کو حسب پروگرام ملنا تھا۔ میں نے ان سے انسانی جسم کے ماڈلز کی خریداری کی باتیں تفصیل کے ساتھ کی ہیں۔ نہایت شان دار ماڈلز ہیں۔ مگر بے حد گراں ہیں۔ میں نے ان سے رعایت کی بات کی ہے۔ انھوں نے غور کا وعدہ کیا ہے۔

نونہالو! میں ہمدرد کالج اوف میڈیسن اور ہمدرد کالج اوف ایسٹرن

میڈیسن کے طالب علموں کو بہترین تعلیم دینا چاہتا ہوں اس لیے ان کی تعلیم و تربیّت کے لیے ہر چیز خرید رہا ہوں۔

جناب وسیم باری

پاکستان کے مشہور کریکٹر ہیں۔ ان دنوں جاپان میں پاکستان انٹرنیشنل ائرلائنز کے نگراں ہیں۔ خوب انسان ہیں۔ خلوص و انس بے پایاں ہے۔۔۔ جب میں آیا تو ہوائی میدان پر موجود تھے۔ پُرتپاک ملے۔ آج پھر ہوٹل میں ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے۔ آج کوئی ایک گھنٹہ تبادلِ خیال رہا۔
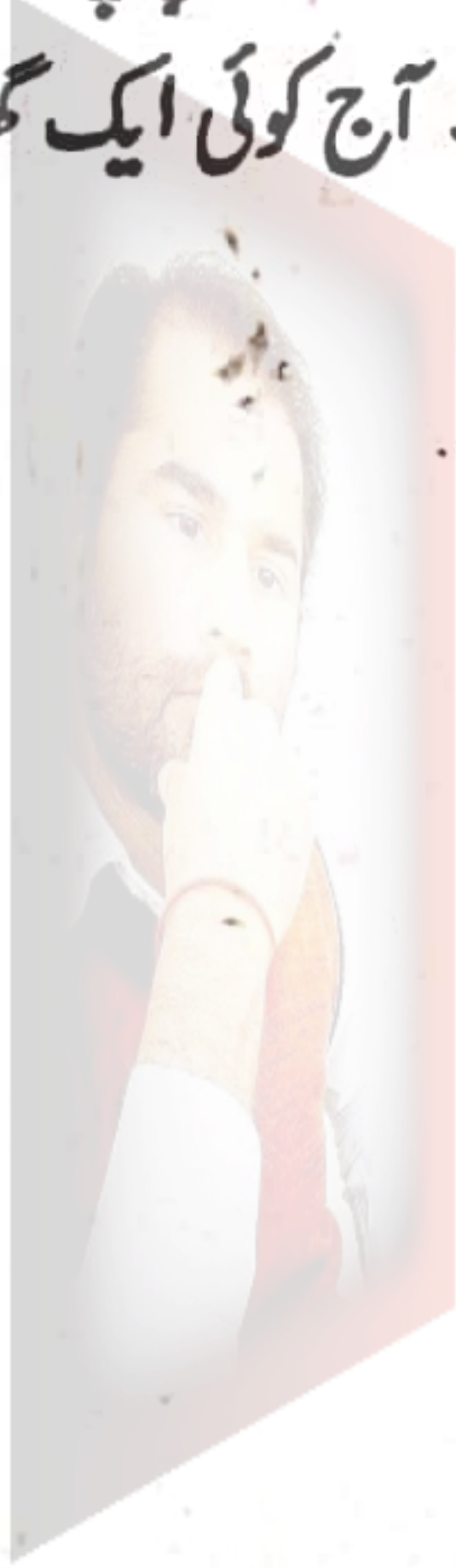
جاپان کا شاہی خاندان — (بائیں سے) شہزادہ اور شہزادی اَکی شینو، شہنشاہ اکی ہیٹو، ملکہ مچی کو ولی عہد شہزادہ نارو ہیٹو اور شہزادی ماساکو

جاپان کے ولی عہد شہزادہ نارو ہیٹو اور شہزادی ماساکو اپنی شادی کے موقع پر
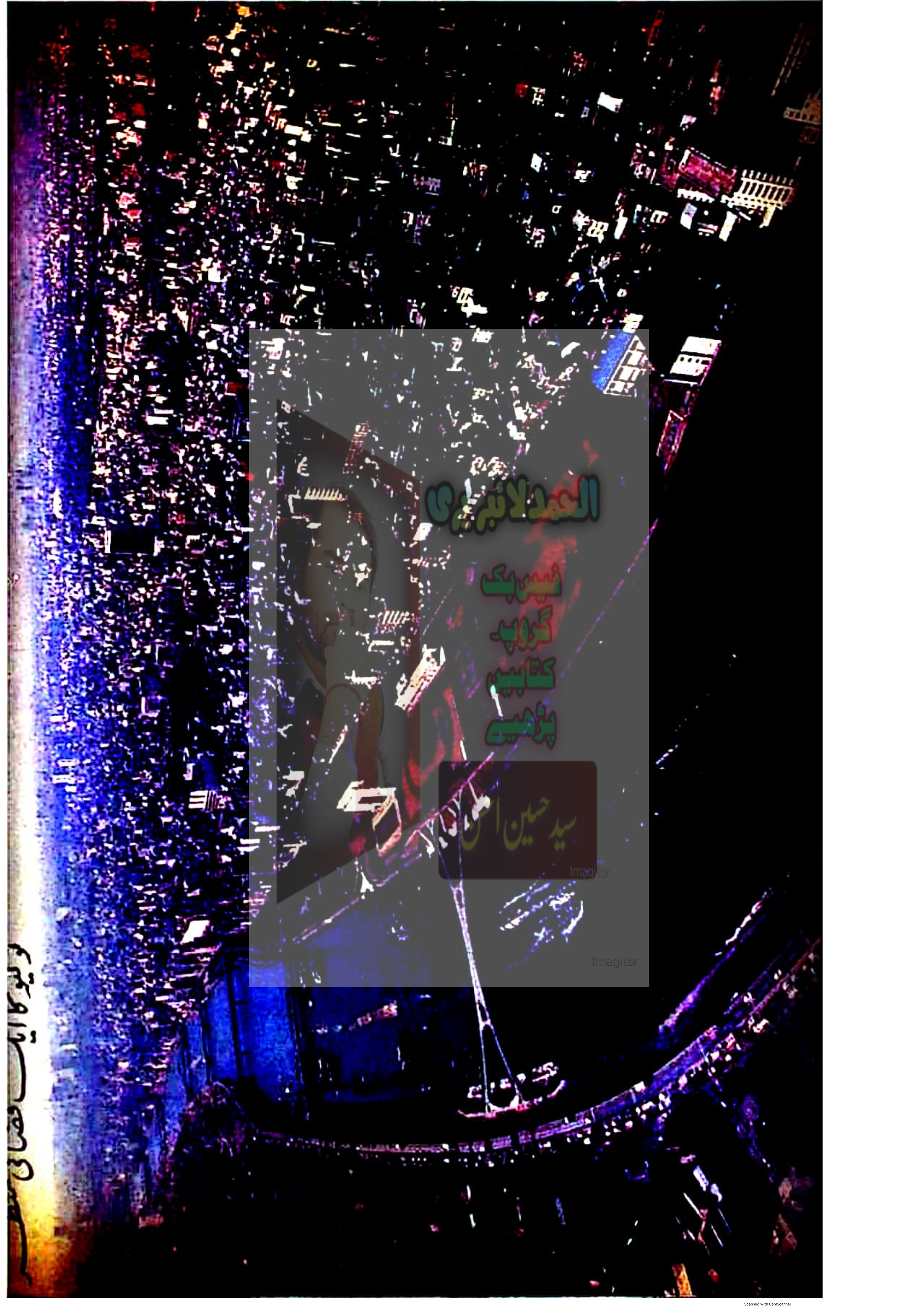
ٹوکیو کا ایک فضائی منظر

دسواں باب

افوّہ! کیا گرمی ہے!

نونہالو! پاکستان میں جب درجۂ حرارت چالیس ڈگری سیل سی اس (Celsius) سے اوپر جاتا ہے تو ہائے گرمی' اف گرمی کا مزہ آتا ہے۔ یہاں تو تیس ڈگری درجۂ حرارت سے شور مچا ہوا ہے۔ پورے بائیس دن سے ہائے گرمی کا سلسلہ جاری ہے۔ کہا جارہا ہے کہ ۱۸۸۱ء اور ۱۸۹۴ء میں ۲۲ دن سے زیادہ ایسی شدید گرمی آئی تھی۔ اب سو سال بعد گرمی نے اس قدر طول کھینچا ہے۔ ایک بات تو ہے۔ آج مجھے ذرا زیادہ بھاگ دوڑ کرنی پڑی۔ پسینہ تو آگیا۔ بھاگ دوڑ سے یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ماکوہاری پرنس ہوٹل کے سامنے نہایت خوب صورت اسٹیڈیم میں جاکر دوڑ لگا رہا تھا۔ نہیں' جس کانفرنس ہال سے بارہا اوپر نیچے جانا ہوا۔ پسینہ آگیا۔

ماکوہاری میسے (Makuhari Messe)

واللہ کیا شان دار کانفرنس ہال ہے! شاید جاپان کا سب سے بڑا ہی مرکز ہے۔ ہزار نشستوں کے کئی ہال ہیں۔ چھوٹے ہال تو کئی درجن ہیں۔ اس سے چھوٹے بھی لاتعداد ہیں۔ یہ ماکوہاری کہنا چاہیے جاپان کا گاؤں ہے۔ اس

انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن کا ۱۵واں اجلاس ۱۹۹۸ میں پورٹوریکو میں ہوگا۔ اس فیصلے پر جو خوشیاں منائی گئیں اس میں حکیم محمد سعید نے بھی شرکت کی

ماکوہاری میسے ۔ کانفرنس سنٹر
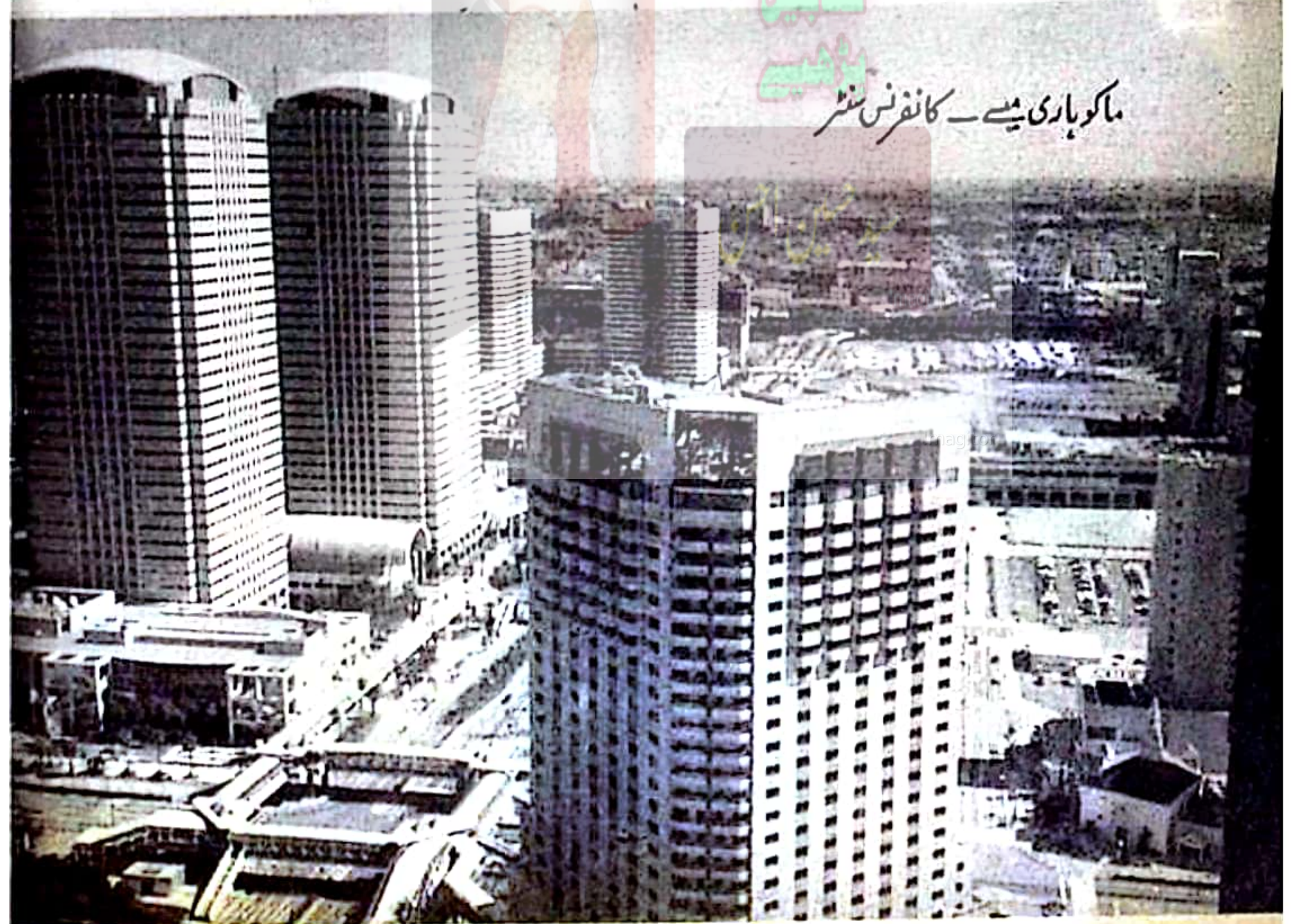
گاؤں کے یہ ٹھاٹھ ہیں! ایک بات اور یہ ہے کہ اس ماکوہاری میسے کو قریب کے تین بڑے ہوٹلوں سے پُلوں کے ذریعہ سے ملادیا گیا ہے۔ ہر ہوٹل ایک ہزار کمروں سے کم نہیں ہے۔ نہایت شان دار برج ہیں۔ ایک بُرج نہایت خوب صورتی سے ایک ہوٹل جارہا ہے اور دوسرا بُرج دوسرے ہوٹل۔

ماکوہاری اسٹیڈیم

ماکوہاری پرنس ہوٹل کے عین سامنے اور اکتالیسویں منزل کے میرے کمرے نمبر ۴۱۲۴ سے صاف دکھائی دینے والا اسپورٹس اسٹیڈیم نہایت خوب صورت ہے۔ اوپر سے میں نے دیکھا کہ اس اسٹیڈیم میں ایک نہایت طویل و عریض (لمبا چوڑا) سوئمنگ پول (تیرنے کا تالاب) ہے۔ یہاں ماکوہاری کے نوجوان آتے ہیں اور ورزش کرتے ہیں۔ فٹ بال کم بیس بال زیادہ کھیلتے ہیں۔ تیراکی کے مقابلے ہوتے ہیں۔ غرض دن رات یہاں چہل پہل رہتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اسٹیڈیم میں رات کو بھی روشنی رہتی ہے۔ میرا کمرہ اس وجہ سے روشن رہتا ہے۔

نونہالو! یہ جاپانی بھی عجیب قوم ہیں۔ اپنے ہاں ذرا بھی لوڈشیڈنگ نہیں کرتے۔ ان کو پاکستان سے سبق لینا چاہیے اور انرجی کی حفاظت کرنی چاہیے! ہم پاکستان میں امریکا اور جاپان کی نقل کرنے چلے تھے۔ انرجی کے لیے دنیا بھر سے ہم نے پاکستان میں انوسٹمنٹ کرنے کے وعدے لے لیے۔ امریکنوں نے کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کرنے کے دعوے کیے۔ بڑا شور مچا۔ حکومت کے گھروں میں شادیانے بجے۔ اب تک ایک پیسہ نہیں آیا ہے اور نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہے کہ پاکستان بھیک مانگ کر بے عزّت ہوتا رہے۔ اب اس سلسلے کو بند ہونا چاہیے اور اپنے وطن کی تعمیر اپنی محنت اور اپنے ذرائع و ذخائر سے کرنی چاہیے۔ ہمیں ایسی انرجی نہیں چاہیے جو ہمارے گھروں کو روشن کردے، مگر ہمارے ضمیر کو تاریک کردے!

ان دنوں جاپان کے شہر فوکوکا (Fukuoka) میں اسٹوڈنٹس اولمپک گیم ہو رہے ہیں۔ اس کا اسٹیڈیم گیند نما ہے۔ اس میں ۵۲ ہزار کرسیاں ہیں۔ پھر آس پاس ۲۴ اسٹیڈیموں میں طرح طرح کے مقابلے ہو رہے ہیں۔ درجنوں ملکوں کے طلبہ آئے ہوئے ہیں۔ اس اولمپک کا انتظام کرنے کے لیے تیس ہزار پرائیویٹ گارڈ ہیں۔

ہاں بات اسٹیڈیم کی ہو رہی تھی۔ میں نے اپنا دل تھام لیا۔ مجھے کراچی کے نیشنل اسٹیڈیم کا خیال آگیا۔ کس طرح ہم نے اسے تباہ کیا ہے! اب تو اسٹیڈیم میں کھیل نہیں ہوتے شادیاں ہوتی ہیں۔ اسٹیڈیم کے باہر اب درجنوں شادی گھر بن گئے ہیں۔ شادیاں اب کھیل ہوتی جا رہی ہیں۔ اسٹیڈیم میں کبھی کبھار ہونے والے کھیل دیکھنے اتنے لوگ نہیں آتے جتنے یہاں روزانہ شادیوں میں آتے ہیں۔ کیا ٹھاٹھ ہیں۔

اکبرا تورے یہ ٹھاٹھ

نونہالو! ٹھاٹھ پر ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اکبر بادشاہ شکار کو نکلا۔ ہرن کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ ہرن تو ہاتھ نہ آیا۔ ایک دیہاتی سے ملاقات ہوگئی۔ اکبر بادشاہ بھی ذرا موڈ میں تھے۔ دیہاتی سے خوب باتیں کیں۔ اس کا حال احوال پوچھا۔ دیہاتی نے گاؤں کی تازہ چھاچھ سے تواضع کی۔ ایسی

چھاچھ محل میں کہاں مل سکتی ہے۔ اکبر کا دل خوش ہوا۔ چلتے وقت دیہاتی کو دعوت دے دی کہ تم کبھی دہلی آؤ تو ہم سے ضرور ملنا۔ پتہ بتادیا کہ اکبر نام لینا۔ جو نام سنے گا تم کو مجھ تک پہنچادے گا۔

خیر جناب دیہاتی کا دہلی آنا ہوا۔ وہ اکبرا اکبرا کہتا رہا کہ اس سے ملنا ہے مجھے۔ خیر جناب لوگ سمجھ گئے اور دیہاتی کو محل تک پہنچادیا۔ دیہاتی بڑا حیران ہوا۔ کہاں آگیا ہے۔ خیر پہروں سے گزرتے آخرکار اکبر بادشاہ تک پہنچ گیا۔ دیہاتی نے دیکھا کہ اکبر تخت پر نہایت شان و شوکت کا لباس زیب تن کیے تشریف فرما ہیں۔ دیہاتی نے دیکھا تو دور ہی سے کہا۔

ارے اکبرا' تورے یہ ٹھاٹھ!

کانفرنس کا آخری اجلاس

نونہالو! چار دن سخت محنت کے بعد اب کانفرنس کا اختتامی اجلاس(Closing Session) ہوا۔ تین بجے سے پانچ بجے تک۔ آج پورے اجلاس کی کارروائی جاپانی زبان میں ہوئی۔

☆ چار دن کانفرنس کی کارروائی کا ایک جائزہ پیش ہوا۔

☆ پروفیسر لارنس گرین اور فلی پیپرز کے نمائندے نے پیش کیا۔

☆ جاپان کانفرنس کے منتظم اعلا جناب محترم ڈاکٹر ہاتو فونا کاوا کو نہایت احترام و اکرام کے ساتھ دعوت خطاب دی گئی۔ انھوں نے نہایت انکسار کے ساتھ کوتاہی کی معذرت چاہی اور شکریہ ادا کیا۔

☆ ان کے دو رفیقوں نے بھی مختصر تقریریں کیں۔

☆ ٹوکیو یونی ورسٹی کی سب سے سینئر پروفیسر خاتون کو احترام سے

دعوتِ خطاب دی گئی۔

☆ ہماری یونین کے صدر ڈاکٹر متی رَجلہ صاحب نے تقریر کی۔

یہ اجلاس دو گھنٹے میں ختم ہوا۔ جاپانی دوستوں نے ہماری یونین کے افسروں کو خاص قسم کے شان دار بیج لگائے۔

جناب اطہر صدیقی

میری درخواست پر پانچ بجے ٹوکیو سے جناب اطہر صدیقی صاحب آگئے تھے۔ ان سے ایک گھنٹہ تبادلِ خیال کیا۔ صدیقی صاحب "نوائے ٹوکیو" کے نام سے اردو میں یہاں ایک ماہ نامہ شائع کرتے ہیں۔ بڑی ہمّت کا کام ہے۔ پاکستان کو ان کی قدر کرنی چاہیے کہ وہ جاپان میں اردو کی خدمت کررہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ اسلام آباد کے سرد خانوں کی مقتدرہ قومی زبان کو بھی "نوائے ٹوکیو" کی کوئی خبر ہے یا نہیں ہے۔ یہ تو مقتدرہ کے فرائض ہیں کہ ان چراغوں کو تیل دیتی رہے مگر خود اس کا چراغ گُل ہوتا نظر آرہا ہے۔ گزشتہ دنوں مقتدرہ قومی زبان نے ایک اردو مذاکرہ کیا تھا۔ مجھے بھی دعوت دی تھی۔ میں نے جواب دے دیا تھا کہ اگر آپ اسے مقتدرہ انگریزی زبان کہنے کو تیار ہوں تو میں شرکت کرنے کو تیار ہوں!

بنکوئٹ (Banquet)

آج اوٹانی ہوٹل میں انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ ایجوکیشن (IUHPE) کی جانب سے اختتامی عشائیہ (بینکوئٹ) تھا۔اوٹانی بھی جاپان کے ہوٹلوں میں سب سے ممتاز ہوٹل ہے۔

نونہالو! جاپان میں جس قدر شان دار ہوٹل ہیں۔ جس قدر شان دار

ان کا طرزِ تعمیر ہے امریکا تو اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس میدان میں جاپان سب سے بڑھ گیا ہے۔ اگر جاپان کو یہ خیال آجائے کہ وہ ہوٹل انڈسٹری اختیار کرے گا تو اسے آج قدرت حاصل ہے کہ وہ دنیا کے ہر ملک میں اپنے ہوٹل قائم کردے اور امریکی ہوٹلوں کو بھگادے۔ آج تو امریکا کے ہوٹل دنیا بھر میں چھائے ہوئے ہیں۔ مگر جاپان کے نزدیک یہ گھٹیا کام ہے۔ جاپان بڑا ہے۔ اس وقت ایشیا کا لیڈر ہے اس لیے وہ بڑے کام کرتا ہے۔

نونہالو! جاپان میں لوہا نہیں ہے۔ لوہے کی کوئی کان نہیں ہے۔ مگر جاپان نے اپنی موٹر کار انڈسٹری سے دنیا کے ہر ملک پر قابو پالیا ہے۔ ہر ملک میں جاپانی موٹر کاروں کو پسند کیا جارہا ہے۔ خود امریکا میں ۲۱ فی صد موٹر کاریں جاپان سے جارہی ہیں اور امریکا کی موٹر کار انڈسٹری کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ کل ہی کے جاپان ٹائمز میں ایک خبر یہ ہے کہ اب امریکا والے امریکا کی موٹر کاروں کو پسند کرنے لگے ہیں۔ اس خبر کا مطلب یہ ہے کہ اب امریکا جاپان کی موٹر کاروں پر پابندی عائد کرنے والا ہے۔

جاپان نے اپنے برقی آلات کی صنعت سے دنیا بھر کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ دنیا کا کون سا گھر ایسا ہے جہاں جاپان کا ٹیلے وژن نہ ہو، وی سی آر نہ ہو۔ ریڈیو نہ ہو۔ اس میدان میں جاپان نے دنیا کو اور خاص طور پر امریکا کو شکست دے دی ہے۔

توبہ، بات بنکوئٹ کی کررہا تھا۔ کہاں سے کہاں پہنچ گیا!

دراصل یہ بنکوئٹ جشن تھا کانفرنس کے بخیر و خوبی ختم ہونے پر۔

پہلے تو سب آپس میں ملتے ملاتے رہے۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ ہم جیسوں کے لیے نہایت اچھا اورنج جُوس تھا۔ یہ اورنج جُوس میرے لیے تو نعمتِ بے بہا ثابت ہوا۔

ناشتہ کرنا بھول گیا

ہوا یہ کہ آج صبح ناشتہ کرنا بھول گیا!

صبح اٹھا تھا تو خوب بھوک تھی۔ رات بسکٹ کھاکر سوگیا تھا۔ ناشتہ کرنے کا ارادہ تھا۔ مگر لکھنے میں ایسا منہمک ہوا کہ ۹ بجے خیال آیا۔ اب ناشتے کا ریستوراں بند ہوچکا تھا۔ دن بھر بھوکا رہا۔ کام کرتا رہا۔ اب اس وقت اس جُوس نے آبِ حیات کا کام کیا۔ معدہ ٹھنڈا ہوگیا۔

طائفہ جاپان

کوئی ۱۵۔۲۰ جاپانی خواتین رقاصوں کا ایک طائفہ آیا اور اس نے نہ صرف خود رقص کیا بلکہ کانفرنس کے ہر مرد و عورت کو اپنے جاپانی رقص میں شریک کرلیا۔ یہ رقص و سرود کا سماں کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا۔ جو لوگ اوّل سے شراب نوشی کررہے تھے وہ زیادہ رقص کررہے تھے۔

نونہالو! ان جاپانی خواتین کو میں بھی بار بار دکھائی دیا۔ ان کا حملہ مجھ پر بھی ہوا۔ انھوں نے اپنے رقص میں مجھے بھی شریک کرنا چاہا۔ میں نے معذرت کرلی، مگر ایک بار تو مجھے بھی شرما حضوری ان کے درمیان آنا ہی پڑا۔

نونہالو! اپنی اس حرکت ناشائستہ کا فوٹو کھنچوایا ہے۔ میں یہ فوٹو اپنی کتاب میں بھی ضرور چھاپوں گا۔ اپنی غلطی کو چُھپاؤں گا نہیں۔ گزشتہ دنوں واشنگٹن میں پاکستان کا ایک طائفہ گیا تھا۔ وہاں بھی زبردست رقص و سرود

کانفرنس کا اختتامی عشائیہ

رقص جاپان

رقص و سرود میں جاپان کا ایک معیار تہذیب ہے۔ شائستگی ہاتھ سے جانے نہیں پاتی اور عریانی نام کو نہیں آتی

ہوا تھا۔ ایسا رقص کہ اس کی ویڈیو کی پاکستان میں نمائش روک دی گئی۔ ضرور وہ عریاں ہوگا! مگر آج کا طائفۂ ثقافت جاپانی تھا جس میں عریانی نہیں تھی۔

نونہالو! بنکوئٹ میں شراب زیادہ تھی، کھانا کم تھا۔ مگر کھانے پر لوگ بُری طرح ٹوٹ پڑے۔ بھلا میں کہاں اس ہنگامۂ بلاخیز میں قدم رکھتا۔ دور کھڑا منظر دیکھتا رہا۔ جناب ڈاکٹر قریشی اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر ریحانہ قریشی کو مجھ پر رحم آگیا۔ ان کے ہاتھ جو لگا انھوں نے لاکر مجھے دے دیا۔ میں سخت بھوکا تھا۔ یہ ذرا ظہور بھی بہت لگا۔ خاموشی سے نوش جان کرلیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ ہاں اورنج جُوس کے چار گلاس ضرور نوش کرلیے۔

ہوٹلوں کے چھوٹے کمرے

نونہالو! جاپان کے اکثر ہوٹلوں میں کمرے چھوٹے ہیں۔ ماکوہاری پرنس ہوٹل کے سنگل روم امریکی ہوٹل کے سنگل کمروں کے مقابلے میں آدھے سائز کے ہیں۔ آج جناب اطہر صدیقی صاحب نے نکتہ بتایا کہ جاپان میں زمین کم ہے اور ضرورت زیادہ ہے۔ اس لیے کمروں کا سائز چھوٹا رکھا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آئی۔ اگر کمرے بڑے ہوتے تو یہ ہوٹل جو اب ایک ہزار کمروں کا ہے پانچ سو کا ہوجاتا۔ اچھا، چھوٹے کمرے میں کیا بُرائی ہے۔ مجھے تو یہاں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ پوری آسائش موجود ہے۔ شرافت سے رہنے کے لیے یہ سائز بالکل صحیح ہے۔ جاپانی اگر عیش و عشرت کرتا تو آج ایشیا کا لیڈر نہ ہوتا۔ اگر جاپان کاہل اور سُست ہوجاتا تو اس کا حال وہی ہوتا جو آج پاکستان کا ہے۔

عیّاشیاں

نونہالو! تم اپنے پیارے پاکستان کا حال تو جانتے ہی ہو! تمھارے چار کروڑ نونہال بھائی بہن پاکستان میں اسکول نہیں جاتے۔ جاپان کا ہر ہر نونہال اسکول جاتا ہے۔ ہماری حکومتوں کا سنگ دلی اور بے ایمانی کا حال تو یہ ہے کہ تعلیم کے لیے وصول کیا ہوا اقراء ٹیکس بھی یہ حکومتیں عیّاشیوں پر خرچ کرچکی ہیں۔ اقراء ٹیکس غالباً ۷۰-۲۷ ارب روپیہ تھا۔ تعلیم پر ایک حصّہ نہ لگا۔ سب ہارس ٹریڈنگ کی نذر ہوگیا ہے۔ چار کروڑ نونہال آج بھی تعلیم سے محروم ہیں۔ جاپانی عیش و عشرت کے بندے نہیں ہیں۔

نونہالو! ہماری حکومتوں نے تعمیرِ پاکستان کے نام پر دنیا بھر سے اتنا قرض لیا ہے' اتنا قرض لیا ہے کہ ہم آج قعرِ ذلّت (ذِلّت کا گڑھا) میں گرے ہوئے ہیں۔ دنیا کا ہر ملک آج پاکستان سے نفرت کرتا ہے۔ تعمیر کے نام پر لیا ہوا قرض عیّاشیوں پر خرچ ہوگیا۔

محنت۔ عمل۔ عمل

نونہالو! اسلام نے محنت کرنے کا جذبہ دیا ہے۔ تعلیم دی ہے کہ محنت کرو۔ عمل کرو۔ کام کرو۔ جِدّوجُہد کرو۔ ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ بھیک نہ مانگو۔ قرض نہ لو۔ یہ سب گناہ ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بھیک مانگتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ ہم قرض لیتے ہیں۔ شادیانے بجاتے ہیں۔ ہم بے غیرت ہیں۔

میرے عظیم نونہالو! تم اس طرح ہرگز بے غیرت نہ ہونا۔ تم عظیم ہو۔ تم عظیم رہنا۔ تم محنت کرنا۔ تم عمل کرنا۔ تم جِدّوجُہد کرنا۔ تم کبھی قرض نہ مانگنا۔ قرض اور بھیک دونوں عزّت ختم کردیتے ہیں۔

ایک بار ایسا ہوا کہ آں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ضرورت مند آیا۔ سوال کیا۔اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے اس سے پوچھا: تمھارے پاس کتنے پیسے ہیں۔ اس نے کہا کہ اتنے ہیں۔ فرمایا:اس رقم سے ایک کلہاڑی خرید لاؤ۔ وہ خرید لایا۔ حضورؐ نے فرمایا: جاؤ اور اس سے درخت سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ۔ فروخت کرو اور اس محنت کی کمائی سے حلال رزق کھاؤ۔ بھیک نہ مانگو۔ نونہالو! تم نے دیکھا کہ حضورؐ نے کیا تعلیم دی۔ کیسی اچھی تعلیم!

ایک تازہ عیّاشی

ان دنوں پاکستان سے ایک وفد آیا ہے۔ حکم ہوا ہے کہ اس کے لیے ہوٹل میں وی وی آئی پی روم کا انتظام کیا جائے۔ وی آئی پی روم آٹھ سو امریکی ڈالر روزانہ کا ہے۔ یعنی ۲۶ ہزار رپے روز۔ اس وفد کے عالی مرتبت قائد نے جونیئر وی آئی پی قبول نہیں فرمایا۔ان کو سینئر وی آئی پی درکار تھا۔ ان کی خاطر ہوٹل سے درخواست کی گئی کہ ہم غریب ملک ہیں۔ رعایت کر دیجئے۔ ہوٹل نے پچاس فی صد رعایت دے دی ہے اور ہمارے پاکستانی وفد کے قائد بھیک مانگ کر عیش کے کمرے میں مقیم ہیں!

ہمارے عیّاشی اور ہماری بے غیرتی کا یہ تازہ نمونہ ہے۔اگر یہی عالی مرتبت قائدِ وفد میری طرح ایک چھوٹے کمرے میں رہ لیتے تو ان کی قیادت ضرور قائم رہتی۔ جاپانیوں کی نظروں میں ان کی عزّت بڑھ جاتی۔ اب یہ وفد جب یہاں جاپان کے اَفسروں سے ملاقات کرے گا تو کیا جاپان کے اَفسروں کو اس کا علم نہیں ہوگا کہ ہوٹل سے غربت کے نام پر بھیک مانگ کر قائدِ وفد سینئر سویٹ میں رہ

رہے ہیں؟ یہ وفد ضرور بھیک مانگنے آیا ہو گا۔ یا کوئی سودا کرنے آیا ہو گا۔ سودا جب کرے گا تو جاپانی افسروں سے پہلے اپنا کمیشن طے کرے گا۔ پھر سامان خریدے گا۔

نونہالو! یہ قطعی بے غیرتی ہے۔ پاکستان کو ان ہی لوگوں نے تباہ کیا ہے۔ تم ان کے خلاف خود کو تیار کرو۔ تمھیں پاکستان کو عزّت دینی ہے۔ یہ عزّت تم غربت سے بھی دلاسکتے ہو۔ انشاء اللہ کل تم بھی پاکستان کے وفد کے قائد بنوگے۔اس وقت اگر تم کو وی آئی پی روم ملے تو انکار کر دینا اور کہنا کہ میں ایک سنگل روم میں رہوں گا۔ وی آئی پی روم مجھے نہیں چاہیے۔ ایسا کر کے تم عزّت پاؤ گے۔

میں نیویارک گیا تھا۔ فاران کلب انٹرنیشنل کی دعوت پر لیکچر دینے کے لیے۔ انھوں نے میرے لیے بڑے ہوٹل میں وی آئی پی روم تیار کرایا تھا۔ میں نے کہا کہ میں تو فرش پر سونے والا انسان ہوں۔ یہ وی آئی پی روم کیا ہوتا ہے۔ نونہالو! میں اپنے مرحوم دوست ڈاکٹر برکات احمد کی بیٹی برجیس کے فلیٹ میں چلا گیا اور وہاں فرش پر آرام سے سوتا رہا۔

اسی طرح اورلینڈو کانفرنس میں ڈاکٹر حسین ناگامیا،صدر امریکن ایسوسی ایشن اوف اسلامک میڈیسن نے میرے لیے میری ایٹ ہوٹل میں وی آئی پی روم کا انتظام کیا تھا۔ میں نے اصرار کر کے ایک سنگل روم لے لیا اور آرام سے اس میں رہا۔ کہاں تین سو ڈالر روزانہ اور کہاں سنگل کمرے کے پچاس پچپن ڈالر۔ میں نے فضول خرچی نہیں ہونے دی۔

اب یہاں پرنس ہوٹل میں سنگل کمرے میں آسائش سے رہ رہا ہوں۔

میں نے یہاں صرف دو دن ناشتہ کیا ہے۔ کھانا ایک بار بھی نہیں کھایا۔ کراچی سے بسکٹ آئے تھے۔ ان سے گزر کررہاہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں اپنے ملک سے زرمبادلہ لایا ہوں۔ میرا ملک غریب ہے۔ مجھے یہاں ایک ایک پیسہ بچانا چاہیے اور میں نے بچالیا ہے۔

نونہالو! عیّاشی ہمیشہ تباہی لاتی ہے۔ سادگی ہمیشہ عزّت لاتی ہے۔

ایک افسوس ضرور ہے

نونہالو! آج ۲۵ ر اگست ہے۔ جمعہ ہے۔ ہماری یونین کا انتخاب پرسوں ہوا ہے۔ اب نیا بورڈ بنا ہے۔ میں نے انتخاب جیتا ہے۔ کل دو بجے بتایا گیا کہ نئے بورڈ کی میٹنگ ٹوکیو میں آج ہے۔ مگر میں آج کراچی جانا طے کرچکا ہوں۔ اب باربار تبدیلی کرنا نہیں چاہتا۔ اس میٹنگ میں شرکت نہ کرنے کا مجھے واقعی دکھ ہے۔

اس دکھ میں اور اضافہ اس طرح ہوا کہ مجھے ابھی معلوم ہوا کہ پاکستان ائرلائنز کا جہاز تقریباً چار گھنٹے لیٹ آئے گا اور تاخیر سے جائے گا۔ اس سے بڑا دکھ ہوا۔ نہ جہاز کا آرام رہا اور نہ میٹنگ میں شرکت نصیب ہوئی۔ اب میرا جہاز کراچی ۱۱ بجے رات پہنچنے کے بجائے ۳۔۴ بجے صبح پہنچے گا۔ خیر اللہ مالک ہے۔

گیارھواں باب

نونہالو! اب کچھ چی با(Chiba) کے بارے میں بات چیت ہو جائے۔ ضرور تم غور کر رہے ہو گے کہ یہ چی با کیا ہے؟ کچھ چبانے چبونے کی بات ہے یا کسی کا فینسی نام ہے۔ بھئی چبانے کی بات تو ہو نہیں سکتی اس لیے کہ یہ جاپان کے لوگ کوئی بات چبا کر نہیں کرتے۔ ہر بات صاف کرتے ہیں۔ اب رہی چبا کر کھانے کھُونے کی بات تو یہ جاپان کے لوگ ہماری طرح رات دن گوشت چبانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے گائے بھینس اور بکرے بکریاں، بھیڑ، حتّیٰ کہ اونٹ تک ذبح کر کر کے کھائے چلے جا رہے ہیں اور دودھ غیر ملکوں سے منگواتے ہیں اور شرم کے ساتھ ذرا غور نہیں کرتے کہ غیر ضروری طور پر گوشت کھانا چھوڑ دیں تا کہ پاکستان میں ایک بار پھر دودھ کی نہریں بہنے لگیں۔ نونہالوں اور نوجوانوں کو دودھ ملا کرے تا کہ ان کی صحّت اچھی ہو۔

نونہالو! چی با جاپان کا ایک بڑا صوبہ ہے۔ یہاں صوبے کو پری فیکچر (Prefecture) کہتے ہیں۔ تو یہ چی با ایک صوبہ ہے۔ اس صوبے میں ایک شہر ماکوہاری ہے جہاں چار دن میں رہا ہوں۔ ناریتا بھی ایک شہر ہے

جس کی سیر کر کے میں ابھی آیا ہوں اور بھی بہت سے شہر ہیں۔

ماکوہاری۔۲۱ ویں صدی کا شہر

ماکوہاری ایک گاؤں تھا اور اب بھی ایک گاؤں ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آدھا گاؤں شہر بن گیا ہے۔ میں شہر میں رہ کر آیا ہوں۔ یہ ۲۱ ویں صدی کا شہر ہے۔ حکومت جاپان نے ماکوہاری کو اکیسویں صدی کا شہر بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور نونہالو! واقعی حیرت انگیز شہر ہے۔ اس کانفرنس میں دو ہزار انسان آکر ایسے غائب ہوجاتے ہیں کہ گویا یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ سنسان ہے۔ جاپان کا یہ شاید سب سے بڑا کانفرنس سینٹر ہے۔ اس کانفرنس سینٹر میں جدید ترین آلات نصب ہیں۔ کانفرنس سسٹم جدید ترین ہے جو شاید امریکا اور یورپ میں بھی کہیں نہ ہو۔

ماکوہاری میسے (Makuhari Messe) اس کا نام ہے۔ یہ تین چار نہایت اچھے اور بڑے ہوٹلوں کے درمیان ہے۔ کہنا چاہیے کہ ایک مکمّل کمپلیکس ڈزائن کیا گیا ہے۔ ہر ہزار کمروں کے ہوٹل کو نہایت خوب صورت پُلوں کے ذریعہ سے ملادیا گیا ہے۔ ہوٹل سے پُل کے ذریعہ سے کانفرنس سنٹر آتے ہیں اور ایک ہوٹل سے دوسرے ہوٹل جانے کا راستہ بھی پُلوں کے ذریعہ سے ہے۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ دنیا کے کانفرنس سینٹر دیکھے ہیں۔ مگر سہولتوں کے اعتبار سے ماکوہاری میسے اپنی جگہ آپ ہے۔

اس عظیم کمپلیکس سے ملی ہوئی ایک حیرت انگیز طور پر وسیع نمائش گاہ ہے جو شاید ایک سو ایکڑ زمین کو محیط ہے۔ اسے دنیا کا سب سے بڑا ڈھکا ہوا (Covered) ایگزی بیشن سنٹر کہا جاسکتا ہے۔ میں نے اسے آج دیکھا۔

قریب ہی ایک بہت بڑا سپورٹس اسٹیڈیم ہے۔ ایک تیراکی کا عالمی مقابلے کا مرکز ہے۔ کھیل کے میدان ہیں۔ گاف کے میدان کم ہیں۔ جاپان میں زمین کم ہے اس لیے گاف کورس کے بجائے گاف کھیلنے کی تربیت گاہیں بکثرت ہیں۔ جاپان کے لوگ گاف پسند کرتے ہیں۔ ایک گاف تربیّت گاہ دیکھی۔ یہ بلند آہنی جالیوں کے درمیان ہے۔ ایک ہی وقت میں ۱۵۔۲۰ کھلاڑی مشق کرسکتے ہیں۔ ایک مرکز پر جاکر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یَن ڈالتے ہیں۔ایک سو گیندیں مل جاتی ہیں۔ اب ایک سوئچ دبانے سے گیند باہر آجاتی ہے۔ہِٹ لگائیے۔دوسری گیند باہر آجاتی ہے۔اس طرح ایک سو بار ہِٹ لگانے کی مشق ہوجاتی ہے۔

ناریتا

نونہالو! چی با پری فیکچر(صوبہ) میں ایک شہر ناریتا ہے۔ اسی کے نام پر ناریتا ائرپورٹ ہے۔ میں آج ناریتا شہر میں سیر کرنے چلا گیا۔ یہاں بلند و بالا عمارتیں نہیں ہیں۔ قدیم انداز کا شہر ہے۔ قدیم انداز کے بازار ہیں۔ اس شہر میں ہوٹل بکثرت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناریتا ہوائی میدان پر اتنے جہاز دنیا بھر سے آتے ہیں کہ ان کے عملے کو قیام کی جگہ درکار ہوتی ہے۔ غیرملکی ہوائی کمپنیوں کا عملہ ان ہی ہوٹلوں میں قیام کرتا ہے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوٹل ہیں۔ ناریتا کے بازاروں میں آج میں نے بہت سے غیرملکی مٹرگشت کرتے دیکھے۔ وہ بازاروں کی سیر کررہے تھے۔ خریداریاں بھی کررہے تھے۔ ان کے اطمینان کی ایک چیز زیادہ تر یہ ہے کہ جاپانی فطرۃً صفائی پسند ہیں۔ ان کی دُکانیں، ان کے بازار، ان کے ریستوراں صفائی ستھرائی اور پاکیزگی

کا نمونہ ہوتے ہیں۔ وہ خود بھی صاف ستھرے رہتے ہیں۔ خوشبوئیں لگاتے ہیں۔

چھوٹے ہوٹلوں کے علاوہ بڑے ہوٹل بھی ہیں۔ جاپان ائرلائینز کے اپنے ہوٹل ہیں۔ متعدد جاپانی ہوٹلوں کے درمیان ہالیڈے اِن بھی ہے! میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ ہوٹل کباب میں ہڈّی کی طرح ہے!

عبادت گاہ

نونہالو! جاپانیوں کا قدیم مذہب شن گن ہے۔ دوسرا مذہب بودھ ہے۔ ناریتا شن گن کا بڑا مرکز ہے۔ یہاں شن شو جی ٹمپل ایک بڑی عبادت گاہ ہے۔ دس ملیون جاپانی ہر سال یہاں آتے ہیں۔ یہ ٹمپل ۹۴۰ء میں تیار ہوا تھا۔ اس ٹمپل کا ماحول نہایت خوب صورت ہے۔ سبزہ زار ہے۔ ناریتا پارک بھی نہایت خوب صورت ہے۔ ناریتا ٹورسٹ پویلیوں بھی ہے۔ غرض پہاڑوں کے درمیان یہ سب کچھ ہے اور خوب ہے۔ میں نے دیکھا کہ سیکڑوں پجاری آج بھی یہاں موجود ہیں۔

ناریتا شہر کے مکانات

تمام کے تمام مکانات چھوٹے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جاپان میں زمین کم ہے، دوسرے اس لیے کہ مزاجاً جاپانی "محل پسند" نہیں ہے۔ ہر مکان چھوٹا ہے۔ اس مکان میں ضرورت کی چیزیں ہی ہوتی ہیں۔ ضرورت سے زیادہ چیزیں رکھنا جاپانیوں کو پسند نہیں ہے۔ ان کا مزاج تو یہ ہے کہ کوئی تحفہ ملے اور وہ ان کی ضرورت کا نہ ہو تو یہ اسے یا تو پھینک دیتے ہیں یا پھر اس دُکان پر رکھ دیتے ہیں جہاں پُرانا مال فروخت ہوتا ہے۔

اور ہاں، اگر ایک گھر میں دو میاں بیوی ہی ہیں تو بس دو ہی کرسیاں ہوں گی۔ کھانے کی میز پر دو ہی گلاس ہوں گے۔ دو ہی چائے کی پیالیاں ہوں گی۔ اگر کوئی مہمان آجائے تو اسے چائے گلاس میں ملے گی!

پورے نارِیتا شہر میں ایک ہی مکان بڑا نظر آیا۔ اگر وقت مل جاتا تو اسے بھی جا کر دیکھ لیتا، مگر خود مجھے محل ناپسند ہیں اس لیے میں نے محل کو نظرانداز کردیا!

دفتر اور گھر الگ الگ

نونہالو! جاپان کے لوگوں کا یہ نہایت خاص مزاج ہے کہ جب وہ دفتر میں ہوتے ہیں تو بس دفتر کی بات کرتے ہیں۔ ذاتی بات کرنا انھیں سخت ناپسند ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ دفتر میں بیگم صاحب کا ٹیلے فون آجائے یا لاٹ صاحب بیگم صاحبہ سے گفت گو فرمائیں: بھئی میں تمھاری لپ اسٹک کا شیڈ بھول گیا ہوں، ذرا بتانا!

ایک اور بات یہ ہے کہ جاپانی دفتر کے بعد گھر میں دفتر کی بات سخت ناپسند کرتے ہیں۔ وہ دفتر والوں کو اپنے گھر کا ٹیلے فون نمبر دینا پسند نہیں کرتے اور گھر والوں یا دوستوں کو اپنے دفتر کا ٹیلے فون نمبر نہیں دیتے۔

ایک پیٹرول پمپ پر

ایک پیٹرول پمپ پر جانے کا اتفاق ہوا۔ موٹر کار ٹھیرتے ہی چند بچیاں بھاگ کر آئیں۔ ایک نے باہر سے موٹر کار کو صاف کرنا شروع کردیا۔ دوسری نے اندر ایش ٹرے صاف کردی۔ تیسری نے پمپ سنبھالا اور پیٹرول ڈالنا شروع کردیا۔ ایک نے بِل تیار لا کر دیا۔ جب موٹر کار روانہ ہوئی تو چاروں

خمیدہ تھیں!

نونہالو! یہ جاپانی دوست دن بھر میں احترام کے لیے اتنی بار جھکتے ہیں تو ان کی کمر تو خاصی مضبوط ہو جاتی ہو گی!

ہمارے ہاں کی خواتین کی کمریں تو دُہری ہو جاتی ہیں ایسا کرنے سے!

چاق چوبند مستعد

نونہالو! صبح آج ہوٹل میں بیٹھا تھا۔ کاؤنٹر سے کیشیئر نے ذرا آواز دی۔ کارکن خاتون پھرکنی بن گئی۔ بھاگ کر کاؤنٹر تک گئی۔ اسی طرح گزشتہ پانچ دن سے دیکھ رہا ہوں کہ ڈیوٹی پر جو بھی ہوتا ہے وہ بھاگتا ہے۔ چلتا کم ہے۔ کام بھاگ کر کرتا ہے۔ کانفرنس میں کوئی ایک سو جاپانی خواتین تو ضرور تھیں کہ جو ہزار سے زیادہ مندوبین کا رجسٹریشن کر رہی تھیں۔ کانفرنس ہالوں میں کام کر رہی تھیں۔ کاؤنٹروں پر بیٹھی تھیں۔ انفرمیشن ڈیسک پر مصروف تھیں۔ صبح سے رات تک ان سے واسطہ پڑتا تھا۔ میں نے کسی ایک خاتون کو تھکا ہوا نہیں پایا۔ کسی ایک کو کام سے غافل نہیں پایا۔ کسی ایک کو بغلیں جھانکتا ہوا نہیں دیکھا۔ اپنے کام پر حاوی۔ فرائض سے آشنا۔ سلوک سے واقف۔ کیا مجال ہے کہ ذرا بھی تیوری پر بَل آجائے۔ مسکرانا ان کی عادت اور مزاج ہے۔

مسکراتا انسان دل موہ لیتا ہے۔ مسکراتا انسان خود بھی خوش رہتا ہے۔ بسورتے چہروں سے طبیعت کبھی خوش نہیں ہو سکتی!

سچ بولتا ہوں، جھوٹ کی عادت نہیں مجھے!

میرے پیارے نونہالو! سچ بولنا انسان کا حُسن ہے۔ سچ بولنا سب سے

بڑی اچھائی ہے۔ ہاں، ایک بات تم ضرور یاد رکھنا سوچ بولنے والا انسان ہمیشہ بہادر ہوتا ہے۔اس کا دل خوف سے پاک ہوجاتا ہے۔ اس میں بس اللہ کا خوف ہوتا ہے اور جب اللہ کا خوف دل میں آجاتا ہے تو پھر دوسرا کوئی خوف قریب نہیں آتا۔ ایسا ہی انسان بہادر اور جری ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول کا لقب تھا صادق۔ سچ بولنے والا۔ دنیا کا سب سے زیادہ صادق انسان! زندگی میں ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا۔ ہر انسان نے کہا: محمدؐ رسول اللہ صادق ہیں۔

نونہالو! اب قوموں کا حال بھی یہی ہے۔ جس قوم میں سچ بولنے کی عادت ہوتی ہے وہ جرات مند ہوتی ہے۔ جس قوم کے افراد جھوٹ کو عادت بنالیں، جھوٹ بولنے پر کمر باندھ لیں وہ قوم پوری بزدل ہوجایا کرتی ہے۔ یہ تاریخ کی حقیقت ہے۔ تم ذرا اپنے پاکستان کو دیکھو۔ یہاں اڑتالیس سال سے جھوٹ کابازار گرم ہے۔ اوپر سے نیچے تک ہر انسان سچ بولنے سے گھبرارہا ہے۔ اسی لیے سارا پاکستان بزدل ہوکر رہ گیا ہے۔

سچ بولنا اسلام ہے۔ جاپان کے لوگ سچ بولتے ہیں۔ جھوٹ بولنے والے شاید اتنے ہوں گے جیسے آٹے میں نمک۔ پاکستان میں اتنے ہیں جیسے نمک میں آٹا! میں تو یہ کہتاہوں کہ یہ جاپانی بڑے پکّے مسلمان ہیں۔ اسلام کے پیغمبر کی سُنّت پر عمل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس سچّی قوم کو عروج دے دیا ہے۔

نونہالو! سچ اور عروج ہم معنی ہیں!

میرے پیٹ میں چوہوں کی دوڑ

نونہالو! رات بنکوئٹ میں کھانے کو بس اتنا ملا تھا کہ داڑھ بھی گرم نہ ہوئی۔ ایسا ہی ہوا کہ جیسے اونٹ کی داڑھ میں زیرہ! صبح اٹھا تو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جوگنگ کررہے تھے۔ بھوک نے ستایا۔ میں نے نمازِ فجر ادا کر کے بسکٹوں کا ڈبّہ اٹھایا۔ اس میں چند بسکٹ تھے۔ وہ میں نے کھاکر ذرا سا پانی پی لیا۔ پستے بھی ذرا سے کھالیے۔ ابھی بسکٹوں کے دو ڈبّے باقی ہیں۔ ان میں گیہوں کی خالص بھوسی کے بنے ہوئے بسکٹ ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں۔ دل چاہا کہ ڈبّہ کھول لوں۔ ایک ڈبّہ اور ہے۔ اس میں بھی میرے پسند کے بسکٹ ہیں۔ مگر مجھے خیال آیا کہ ان کو یہاں ایسے ہی چھوڑدوں تا کہ میرے کمرے کی دیکھ بھال اور صفائی کرنے والی خاتون کو جب یہ دو ڈبّے ملیں تو ان عورتوں کی دعوت ہوجائے۔ سب ہی کہیں گی کہ پاکستان کے بسکٹ ہیں۔ اس طرح پاکستان کا نام ہوگا! میں نے بھوکا رہ جانا پسند کرلیا۔ پاکستان کا نام زبانوں پر لانا پسند کرلیا! ناشتہ کرنے اس لیے نہیں گیا کہ دوہزار یَن خرچ ہوں گے۔ ان کو بچا لینا چاہیے۔ **مدینتہ الحکمہ** کے کام آئیں گے۔

گرانی مہنگائی

یہ تو ماننا پڑے گا کہ جاپان بہت مہنگی جگہ ہے۔ مگر یہاں تن خواہیں بھی زیادہ ہی ہیں۔ مثلاً ایک مزدور کو یہاں پاکستان کے کم از کم پچاس ہزار رُپے مہینہ ملتا ہے! یہاں پاکستان کے کم از کم ایک لاکھ مزدور ہیں۔ وہ اس طرح یہاں رہتے ہیں کہ ایک کمرے میں تین تین چار چار۔ رُپیہ بچاتے ہیں، اور اپنے گھر بھیج دیتے ہیں اور کل کی خوش حالی کے لیے جِدّوجُہد کرتے

ہیں۔

جناب محمد صدیق ملک صاحب

پاکستان انٹرنیشنل ائرلائنز کے افسر ہیں۔ ۱۰ بجے مجھے لینے آگئے۔ ان کے ساتھ ہوائی میدان روانہ ہوگیا۔ دل یہ چاہ رہا تھا کہ اس ماکوہاری اور ناریتا شہروں کے گلیوں بازاروں میں ذرا گھوم پھرلوں۔ مگر میں یہ بات اطہر صدیقی صاحب سے تو کہہ سکتا تھا۔ ان سے کیسے کہوں۔ دل مسوس لیا۔ خاموش رہا۔

اللہ کا کرنا ہوا کہ صدیق صاحب ہوائی میدان کا راستہ بھول گئے اور ماکوہاری کے بازاروں میں چکر لگانے لگے۔ میں نے دل میں کہا: اچھا ہوا راستہ بھول گئے۔ جب میں گھوم لیا اور صدیق صاحب پریشان ہوگئے تو میں نے مشورہ دیا کہ آؤ ذرا کسی سے معلوم کرلیں۔ وہ کار سے اترے۔ ایک سائیکل سوار جاپانی ذرا ٹھیر گیا۔ اب زبان کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ صدیق صاحب جاپانی بالکل نہیں جانتے۔ جاپانی نہ انگریزی زبان جانتے ہیں نہ اردو۔ پھر بھی اشاروں کی زبان میں باتیں شروع ہوگئیں، مگر راستہ صدیق ملک صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر اس جاپانی جوان نے کہا: آیئے میرے پیچھے آیئے۔ گلیوں گلھاریوں میں گھومتا ہوا وہ بڑی دیر بعد ہائی وے تک ہمیں لے آیا۔ اس گھوم پھر میں مَیں نے ماکوہاری کے مکانات کا انداز بھی دیکھ لیا۔

نونہالو! تم نے دیکھ لیا کہ جاپان کے اس نوجوان نے کتنی مدد کی۔ یہ ہے جاپانی مزاج۔ میرا تو دل خوش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو خوش رکھے۔

ماکوہاری شہر قدیم زمانے کا شہر ہے۔ چھوٹے چھوٹے مکان۔ یوں لگا جیسے کہ پرانے ڈھاکہ میں گھوم رہا ہوں! مگر نہایت صاف ستھرے۔ گلیاں صاف ستھری۔ بازار صاف ستھرے۔

خیر ہائی وے پر آگئے۔ ناریتا شہر قریب آگیا۔ جناب صدّیق ملک صاحب ناریتا ہی میں رہتے ہیں۔ خود ہی کہنے لگے: ناریتا شہر آپ کو گھمادوں۔ میں نے کہا: آپ کے مُنّھ میں گھی شکر! ضرور چلیئے۔ میں نے پہلے ناریتا شہر کے بارے میں اپنے تاثّرات لکھ ہی دیے ہیں۔

سیکورٹی چیک

ناریتا ائرپورٹ جاتے ہوئے ایک مقام پر زبردست سیکورٹی چیک تھا۔ اشارہ ملا۔ ہم نے اپنی کار روک لی۔ سیکورٹی افسر نے ادب سے سلام کیا۔ دوسرے نے ڈگی خود کھول کر اندر جھانک لیا۔ پھر جھک کر شکریہ ادا کیا۔ دوسرے نے فوجی سلام کیا اور ہم روانہ ہوگئے۔

نونہالو! تم نے غور کیا اس ادب و احترام پر!

آخر پاکستان کے سیکورٹی افسر ایسے انسان کیوں نہیں بن سکتے؟

جاپان کا سیکورٹی افسر اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ چیکنگ کرتا ہے، مگر وہ احترام کو ملحوظ رکھتا ہے۔ پاکستان کا سیکورٹی افسر ہر انسان کو بدمعاش سمجھتا ہے اور اس سے حاکمانہ سلوک کرتا ہے۔ جاپان والا خدمت کرتا ہے۔ پاکستان والا حکومت کرتا ہے۔ آخر ہم ان کو صحیح تربیّت کیوں نہیں دے سکتے۔ ان کو انسان کیوں نہیں بناسکتے۔ گورنری سے ہٹ جانے کے بعد ایک بار ائرپورٹ کا سیکورٹی عملہ خود مجھے جانتے ہوئے میرے ساتھ بدتمیزی کرچکا

ہے اور — میں نے محبت کر کے اسے سلام کر لیا۔ میرا کیا بگڑ گیا!

ناریتا ہوائی میدان

نونہالو! یہ بھی ایک پوری دنیا ہے! اس ہوائی میدان کا پرچہ ترکیبِ استعمال میرے پاس ہے۔ بڑا پیچیدہ ہے۔ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ میں تو پی۔ آئی۔ اے کے دفتر میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس سیاحت نامے کے یہ آخری ۲۰ صفحات میں نے ناریتا ائرپورٹ پر بیٹھ کر لکھے ہیں۔ جس دفتر میں میں بیٹھ گیا ہوں یہ جناب خالد عثمان صاحب کا دفتر ہے۔ جناب خالد عثمان صاحب نائب ہیں۔ ان سے اوپر جناب وسیم باری صاحب ہیں۔ اتفاق ہے کہ آج خالد صاحب بھی لاہور جانے کے لیے اسی جہاز میں سفر کر رہے ہیں۔ میں ان کی خاص توجہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انھوں نے میری ہر طرح مدد کی ہے۔ بڑی محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

ہوائی جہاز میں

کراچی سے جہاز کو ۱۱ بجے آجانا تھا، مگر یہ ڈیڑھ بجے ٹوکیو آیا ہے اور اب ڈھائی بجے کے قریب روانہ ہوگا۔ یہ مجھے رات ہی کو معلوم ہوگیا تھا۔ میں نے جناب وسیم باری صاحب محترم سے درخواست کردی ہے کہ میری سعدیہ بیٹی کو ذرا بتادیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ۱۱ بجے رات کراچی کے ہوائی میدان پر آجائیں اور رات کالی کریں۔ یہ جہاز تو اب کراچی کوئی چار بجے صبح پہنچ جائے گا۔

ہوائی جہاز میں آ کر بیٹھا تو ایسا لگا کہ میں پاکستان میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ عملہ جہاز نے استقبال کیا۔ اس استقبال میں خلوص اور محبت بے

پایاں تھی۔ یہی چیز مجھے زندہ رکھتی ہے کہ لوگ مجھ سے محبّت کرتے ہیں۔
میری اس کیفیت ہی نے تو اراکینِ حکومت کو مجھ سے برگشتہ کردیا ہے۔ انھیں تکلیف یہ ہے کہ پاکستان کے عوام حکیم سعید سے محبّت کرتے ہیں!

اسنیکس کا شدید انتظار

ہوائی جہاز میں آکر بیٹھا تو سخت بھوک۔ جناب خالد عثمان صاحب نے فرمایا تھا: کھانے کا پورا انتظام ہے۔ ہم نے جہاز کے دیر ہوجانے کی وجہ سے اپنے جہاز کے سب مسافروں کو کھانا کھلادیا ہے۔ میں نے تکلّف سے کام لیا۔ اب اپنے مزاج کے مطابق ہوائی جہاز میں کھانے کو مانگنا تو میرے لیے ممکن نہ تھا۔ مگر جہاز جب محوِ پرواز ہوگیا تو شدّت سے اسنیکس کا انتظار رہا۔ آخرکار کھانے کو کچھ آہی گیا۔ جناب خالد عثمان صاحب نے عملے سے کہہ دیا تھا کہ میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔

نونہالو! میں نے جب اسنیکس دیکھے تو وہ ایسے ہی تھے کہ جیسے اونٹ کی داڑھ میں زیرہ۔ پھر ایک دوست نے کہا: میں آپ کے لیے سینڈوچ لارہاہوں۔ دل میں میں نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے!

بیٹی یہ مٹھائی کہاں کی ہے!

دوسری بار ذرا بڑے اسنیکس آئے۔ اس میں ایک ٹکڑا نہایت شان دار مٹھائی کا تھا۔ کسی طرح یقین نہ آیا کہ یہ پاکستان کی ہوسکتی ہے۔
بیٹی، سچ بتانا! یہ مٹھائی کہاں کی ہے؟
ائرہوسٹس نے کہا کہ ٹوکیو کی ہے! بے حد نفیس اور لذیز!

پھر پھل آئے۔ انگوروں کا ایک خوشہ تو ایسا تھا جیسے بھٹّے کی ڈالی! میں نے کہا کہ یہ بھٹّا کیسا ہے۔ نہیں جناب یہ انگور ہیں جاپان کے۔

نونہالو! دانہ چھوٹا تھا، مگر نہایت شیریں!

لطف آگیا!

سرزمینِ چین پر

نونہالو! ٹوکیو سے ہوائی جہاز اڑا۔ تین گھنٹے پینتیس منٹ پرواز کرکے اس نے بیجنگ (چین) لاکر اتار دیا۔ اس وقت میں سرزمینِ چین پر ہوں۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ یہ سرزمینِ چین مجھ سے اس لیے خوش نہیں ہے کہ میں پاکستانی ہوں۔ مجھے بے حد شرمندگی ہے کہ میرے پاکستان کی نہایت مکروہ سیاست نے چین کو پاکستان سے ناخوش کردیا ہے اور ابھی کوئی ایک سال ہوا میرے وطن کے صدرِ گرامی قدر عالی مرتبت جناب محمّد فاروق خاں لغاری صاحب چین تشریف لائے تھے۔ میں نے ان کو نہایت محبّت اخلاص، مگر عین سچّائی کے ساتھ لکھا کہ جناب کس مُنھ سے چین تشریف لے جارہے ہیں۔ آپ کی حکومت تو چین کو ناراض کرچکی ہے۔ وہ آپ کا کس دل سے استقبال کریں گے۔

میں نے ان کو اپنی شہرۂ آفاق کتاب "میڈیسن اِن چائنا" بھی پیش کی تھی۔

نونہالو! میری اس کتاب کا افتتاح (لانچنگ) وزیرِاعظم چین نے راولپنڈی کے ایوانِ صدر میں کیا تھا اور بیجنگ (دارالحکومت چین) میں میری کتاب کی رُونمائی وزیرِ صحّت چین نے کی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ جناب صدر نے اس کتاب کو ہوائی جہاز یا اپنے ایوان کے کسی کونے میں ڈال دیا ہوگا۔ ورنہ وزیرِ اعظم چین کے لیے اس سے اچھا تحفہ کیا کوئی اور ہو سکتا تھا!

نونہالو! چین میں پاکستان کے صدر کے ساتھ کیا گزری اگر یہ لکھوں گا تو دل دُکھائی ہوگی۔ میرا دل تو پاش پاش ہوا ہی ہے۔ میں تم نونہالوں کا دل کیوں دُکھاؤں!

نومبر ۱۹۶۳ء

میرے عظیم نونہالو! نومبر ۱۹۶۳ء میں پاکستان سے سب سے پہلے وفد چین آیا تھا۔ یہ بالکل پہلا وفد تھا۔ اس وقت چین اور پاکستان کے تعلقات استوار نہ تھے۔ ان کو استوار کرنا تھا۔ میں نے ایک طبّی وفد مرتّب کیا۔ صدر پاکستان فیلڈمارشل محمد ایّوب خاں صاحب سے میں نے ہدایات لیں۔ یہ ہدایات بالکل صیغۂ راز میں تھیں۔ اگرچہ میرا یہ دورہ طب کے عنوان پر تھا‘ مگر یہ دورہ ایک نہایت باوقار سیاسی عنوان کا حامل تھا۔ میں نے یہ سیاسی اور سفارتی فرائض بدرجہ انتہا خوبی سے انجام دیے۔ ۳۱ دن چین میں رہا۔ کئی شہروں میں گیا۔ ہر دن ایک یا دو تقریریں کرتا رہا۔ میرے پاس چار ہزار سے زیادہ اخبارات کے تراشے چین کے متعلق تھے۔ راتوں کو میری سیکریٹری (میڈیکل جرنلسٹ کے نام سے میرے ساتھ تھیں) خانم ڈسلوا اور میری بیٹی سعدیہ ان تراشوں سے تقریریں تیار کرتی تھیں۔ دوسرے دن میں جب تقریر کرتا تھا تو ایسا لگتا تھا کہ میں چین سے خوب خوب واقف ہوں۔ چینی حیران ہوئے تھے جب میں نے چین کی تاریخ اور حتّٰی کہ منگ چاؤ

میں ریشم کی صنعت کے لیے کیڑا کہاں سے کون لایا تھا یہ بیان کردیا۔

نونہالو! حکومت چین نے میرا زبردست استقبال کیا۔ گریٹ ہال میں میرے اعزاز میں عشائیہ یقیناً بہت بڑا احترام تھا اور اعزاز۔ پھر چین کا دورہ کرایا۔ ہر جگہ وزراء اور میئر صاحبان نے خیر مقدم کیا۔

نونہالو! میں نے فیکٹریوں اور ریلوے پلیٹ فارموں پر چین پاکستان دوستی کے نعرے لگوادیے۔ حکومت پاکستان نے میرے اس دورے کی جگہ جگہ کی خبریں نہایت اہتمام کے ساتھ ریڈیو وغیرہ سے نشر کرائیں۔ایک ماہ خوب ہنگامہ رہا۔

نونہالو! تم نے دیکھا کہ میں نے پاکستان کی خدمت کس طرح خاموشی کے ساتھ کی ہے۔ چین کو پاکستان کا دوست بنادیا۔ چین نے پاکستان کی ایسی مدد کی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں سُرخ رُو ہوں۔

شاپنگ

چین کے ہوائی میدان پر میں نے شاپنگ کی۔اپنی نواسیوں کے لیے اور سعدیہ بیٹی اور فریدہ بیٹی کے لیے لیڈیز ہینڈ بیگ خریدے۔ اس دُکان میں سب سے سستی چیز یہی ملی!

اب بیجنگ سے کراچی' براستہ اسلام آباد

نونہالو! اب ہمارا جہاز روانگی کے لیے تیار ہے۔ اتنے مسافر ہیں کہ پورا جہاز بھرگیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ جہاز کے روانہ ہونے سے پہلے ہم نے باجماعت نمازِ مغرب اور عشا ملا کر ادا کرلی۔ظہر اور عصر کی نماز میں ہوائی جہاز

میں ادا کر چکا تھا۔ ایک فلسطینی نوجوان نے پوری قوّت کے ساتھ اذان دی۔ پاکستان کے ایک دوست نے نماز پڑھائی۔ دل خوش ہوگیا۔

اندازہ یہ ہے کہ جہاز کراچی صبح ۲ بجے سے پہلے نہیں پہنچ سکے گا۔اس لیے میں جہاز میں کھانا کھالوں گا تا کہ کل روزہ رکھ سکوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کل کراچی میں مریضوں کی خدمت کروں گا۔

میں شکریہ ادا کرتا ہوں

نونہالو! شکریہ ادا کرنا ایک انسانی حُسن ہے اور خوبی ہے۔ میں ہفتے کی صبح ٹوکیو گیا تھا۔ کراچی سے جمعے کی شام چلا تھا۔ آج ٹوکیو سے جمعہ کی سہ پہر کراچی روانہ ہوا۔ آٹھ دن کا یہ نہایت مصروف سفراب ختم ہوتا ہے۔

اب میں شکریہ ادا کرتا ہوں :

☆سب سے پہلے اپنی بیٹی سعدیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے نہایت ذمّہ داری کے ساتھ اور نہایت صحّت کے ساتھ عالمی صحّت کانفرنس اور متعدّد اجلاسوں کے لیے مجھے تمام فائل نہایت احتیاط سے تیار کرکے دیے۔اس کی وجہ سے میرے ذہن کا بوجھ بہت کم ہوگیا۔ یہ سب بڑا کام تھا۔ ہزار صفحات کا پلندہ تھا۔ ان سب کو ترتیب دینا بڑا اہم کام تھا۔ میں محترمہ زاہدہ بانو کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کام میں سعدیہ کی مدد کی۔ سعدیہ کے عملے کے کارکن منیرالدین صاحب اور فیروز صاحب بھی شکریے کے مستحق ہیں۔

☆ دنیا کے ان تمام مندوبین کا دلی شکریہ جنھوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیے اور مجھے انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ پروموشن اینڈ

ایجوکیشن (پیرس۔فرانس) کے بورڈ کی اعلا رکنیت کا اعزاز بخشا۔

☆ پاکستان ائرلائنز اور اس کے نہایت مخلص عملے کا دلی شکریہ کہ انھوں نے میرے سفر کو خوش گوار بنائے رکھا۔ جناب وسیم باری، جناب خالد عثمانی صاحب، جناب محمدّ صدیق ملک صاحب اور جاپانی دختر کا جو ائرپورٹ پر ہینڈلنگ کرتی ہیں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کراچی سے بنکاک، منیلا، ٹوکیو تک کا عملہ اور پھر ٹوکیو سے بیجنگ کراچی تک کا سب عملہ نہایت مخلص رہا۔ ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

☆ نونہالانِ وطن کا شکریہ جو مجھ سے محبّت کرتے ہیں۔ میں پوری محبّت کے ساتھ ان کے لیے سفرنامے لکھتا رہا ہوں۔ اگر یہ بے پایاں محبّت نہ ہوگی تو یہ کوئی بتیس نونہال سفرنامے تیار نہ ہوتے۔

ان شخصیات کے اسمائے گرامی جن کا تذکرہ اس سفرنامے میں ہے۔

文化の里

Sapporo
Fukuoka
Kyoto
Osaka
Niigata
Sendai
Nagoya
TOKYO
CHIBA